جلد ۷۴ ماہ صفر المظفر ۱۳۷۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۵۴ء عدد ۴

مضامین

مقالات

آثار علمیہ وادبیہ

ادبیات

شذرات

۲ر اکتوبر کو پورے ہندوستان مین بڑی دھوم دھام سے گاندھی جینتی منائی جاتی ہو، تمام کانگریسی نیتا، وزرا وعمالِ حکومت اور سرکاری و نیم سرکاری ادارون کے ہاتھ گاندھی جی کی شخصیت، اُن کے کارنامون، اُن کے فلسفہ اور اُن کی تعلیم پر پرزور تقریرین کرتے ہین، اخبارات مین مضامین نکلتے ہین، اور ساری دنیا کو گاندھی جی کا فلسفہ اور اُنکی تعلیم قبول کرنے کی دعوت دیجاتی ہو، مگر خود ان مقررین نے گاندھی جی کی تعلیم کو جس قدر جلد فراموش کردیا ہو اسکی مثال مشکل سے مل سکتی ہو، گاندھی جی کا سب سے بڑا فلسفہ اہنسا ہو، ان کی ساری زندگی، اس کی تعلیم و تبلیغ، کمزورون و مظلومون کی حمایت، اچھوتون اور پسماندہ طبقون کی اصلاح و ہمدردی، ہندو مسلم اتحاد، مسلمانون کے حقوق کے تحفظ اور ان سے برادرانہ سلوک، کی تلقین مین گذری، اور اسی راہ مین جان تک دیدی،

مگر غور کیجئے کہ آج ان مین سے کس چیز پر عمل ہو رہا ہو، اہنسا کے معنی یہ ہین کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لیا جائے، ظلم کے جواب مین بھی نیکی کی جائے، دشمنون کے ساتھ بھی مدارات برتی جائے، اور موذی جانورون تک کو ایذا نہ دیجائے، اور اس کے لئے ہر تکلیف گوارا کیجائے، اس کے مقابلہ مین ہمارا عمل کیا ہو، دشمنون اور حیوانون کا ذکر نہین، انسانون اور اپنون کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہو، اچھوتون کے ساتھ کیا برتاؤ ہو، چند زبانی اور نمایشی چیزون کو چھوڑ کر عملاً ان کو کس چیز مین مساوات کا درجہ دیا گیا ہے، چھوت چھات اور ذات پات کا بھوت آج بھی اسی طرح مسلط ہو، مسلمانون کے ساتھ کیا رویہ ہو، ان کے ملکی حقوق اور ان کی تہذیب و کلچر کے ساتھ کیا طرز عمل ہو، مہا سبھائیون اور جن سنگھیون کا ذکر نہین، چند مخلص کانگریسیون کو چھوڑ کر جن کی تعداد انگلیون پر گنی جا سکتی ہو، کانگریس کی پوری جماعت اور اسکی حکومتین

کہان تک گاندھی جی کے اصولون پر قائم ہین، انکی پامالی سب سے زیادہ انہی کے ہاتھون ہو رہی ہے جس کا شکوہ گاندھی جی کے تمام سچے پیروؤن کو ہے، اس کی شہادت اُن کے مضامین سے ملتی رہتی ہے،

ایک طرف تو گاندھی جی کے فلسفہ کو اعلیٰ ترین تصور اخلاق کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور اسکو عالمگیر انسانی اخوت و محبت کا سب سے بڑا سبق اور قومون کے درمیان اخلاص و اعتماد اور بین الاقوامی امن وامان کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، دوسری طرف قدم قدم پر اپنے عمل سے اس کی تردید کی جاتی ہے، گاندھی جی جس چیز کی تعلیم بھی دیتے تھے، اپنے عمل سے اس کا نمونہ پیش کرتے تھے، اس لئے ان کی باتون مین بھی اثر تھا، اور اُن کے بعض سچے پیرو آج بھی اس اصول پر قائم ہین، لیکن خود کانگریس اور اس کی حکومتون نے اُن کو بالکل بھلا دیا ہے، اگر گاندھی جی کی تعلیمات کو دنیا مین پھیلانا ہے، تو پہلے خود اس کا عملی نمونہ بننا چاہئے، دنیا اس کے فوائد دیکھکر خود اسکی جانب کھنچیگی ورنہ محض زبانی دعوؤن سے کچھ حاصل نہین، دنیا مین آج بھی بڑے بڑے فلسفۂ اخلاق موجود ہین انہی کی طرح گاندھی جی کا فلسفہ بھی محض ایک نظری فلسفۂ اخلاق بن کر رہ جائے گا،

مسلمانون کے نکاح، طلاق، خلع اور وراثت وغیرہ کا تعلق محض معاشرت سے نہین ہے، بلکہ ان کی حیثیت مذہبی بھی ہے، اس لئے اُن کے قوانین مین کوئی ترمیم نہین ہو سکتی اور وہ اتنے مکمل ہین کہ ان مین کسی ترمیم کی ضرورت بھی نہین اور آج دوسری قومین تک کسی نہ کسی شکل مین اُن کے ماننے پر مجبور ہو رہی ہین، لیکن ان معاملات مین ہندوؤن کے قوانین ناقص ہین، اور اُن کی اصلاح کے لئے ان مین تبدیلی ضروری ہے، جس کی مثال ہندو کوڈ بل ہے، مگر اس سلسلہ مین "اسپشل میرج ایکٹ" کے نام سے حال مین جو بل پاس ہوا ہے، اس مین مسلمانون کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس کی بعض دفعات مسلمانون کے پرسنل لا کے خلاف ہین، اسلئے مسلمانون کو اس مین شامل کرنا صحیح نہین ہے، مسلمانون کے پرسنل لا مین انگریزون نے بھی کبھی مداخلت نہین کی تھی، اس لئے ہم کو توقع ہے کہ اس قانون سے مسلمانون کو مستثنیٰ رکھا جائے گا۔

ابھی حال مین ریاست دہلی کی اسمبلی مین ہندی کے حامیون نے ہندی کو صوبہ دہلی کی زبان بنانے کے لئے ایک بل پیش کیا تھا جو کثرت رائے سے مسترد ہو گیا، اس بل کی مخالفت مین ریاست دہلی کے وزیر ترقیات گوپی ناتھ امن نے

جیسی منصفانہ، معقول اور مدلل تقریر کی ہے وہ دوسرے صوبون کے وزراء کے لئے بڑی سبق آموز ہے، انھون نے ہندی کی
محبت اور اسکی اہمیت کے اقرار کے ساتھ جس صفائی اور جراءت کے ساتھ اردو کے حق کا اعتراف و اعلان کیا ہے اسکی
ہمت ہمارے صوبے کے مسلمان وزراء تک نہین کر سکتے، ان غریبون کا کام تو صرف یہ رہ گیا ہے کہ

مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے

اگر گوپی ناتھ امن کی جیسی منصفانہ نظر اور حق گوئی دوسرے وزراء مین بھی پیدا ہو جائے تو اردو ہندی
کا قضیہ ہی ختم ہو جائے، اب ہندی ملک کی قومی زبان بن چکی ہے جس کو مسلمان بھی مانتے ہین، اس لئے اسکی مخالفت
یا اس کے ساتھ اردو کے مقابلہ کا کوئی سوال ہی نہین ہے، اردو کے حامی صرف اس قدر چاہتے ہین کہ اس کو مٹایا
نہ جائے اور دوسری زبانون کی طرح اسکو بھی اس کا واجبی حق اور ترقی کا موقع دیا جائے، اگر اسکا یہ حق عملاً مان لیا جائے تو پھر کوئی جھگڑا نہین رہ جاتا

گذشتہ چند مہینون مین فرقہ پرستون کی شورش اور فتنہ انگیزی اس حد تک پہنچ گئی تھی، کہ مسلمانون کی جان
و مال کے اتلاف کے ساتھ صوبہ کا امن و امان بھی خطرہ مین پڑ گیا تھا، اس لئے صوبہ کانگریس کمیٹی اور حکومت دونون
کو اس کے اسباب کی تحقیقات کی جانب توجہ کرنا پڑی، مگر مسلمانون کی کھلی ہوئی مظلومیت کے باوجود ان کو بالکل بے داغ
چھوڑنا بھی گوارا نہ تھا، اس لئے فسادات اور مسلمانون کی بے اطمینانی کے صحیح اسباب کی تشخیص کے ساتھ اس کا
ایک سبب امریکہ اور پاکستان کے فوجی معاہدہ کو بھی قرار دیا گیا ہے، یعنی پاکستان کی فوجی تقویت سے مسلمانون مین بھی
فساد کا حوصلہ پیدا ہو گیا کسقدر یہ توجیہ بھی مضحکہ انگیز ہے، اولاً ابھی پاکستان ہی کو تنہا طاقتور ہو گیا ہے، پھر اس کی قوت سے ہندوستان
کے مسلمانون کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، تاہم اگر فسادات کی ابتداء اور زیادتی مسلمانون کی جانب سے ہوئی ہوتی تو بھی
اسکی بعید از قیاس کی گنجائش نکل سکتی تھی مگر مسلمانون کی مسلمہ مظلومیت کے باوجود ان کو کسی درجہ مین بھی فساد
کا سبب قرار دینا کسقدر عقل سے بعید ہے، البتہ یہ توجیہ صحیح ہو سکتی ہے، کہ اس معاہدہ کا غصہ ہندوستان
کے بے بس مسلمانون پر اتارا گیا، تاہم اس ٹکڑے سے قطع نظر مسلمانون کے حال زار کی جانب کانگریس
کمیٹی کی اتنی توجہ بھی غنیمت ہے بشرطیکہ اس کے علاج کی عملی تدبیر اختیار کی جائے،

مقالات

اقبال کی ریاست

از جناب مولوی عبدالسلام صاحب رامپوری

(یہ مقالہ رضا ڈگری کالج رامپور میں جنوری ۱۹۵۲ء عیسوی میں پڑھا گیا)

غلام ہندوستان کی سیاسی جدوجہد میں اقبال بھی شریک رہے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں اُن کا رویہ اعتدال پسندانہ اور مصالحانہ تھا، اُن کی پوری سیاسی زندگی مسلم اقلیت کی حمایت اور اُس کے قانونی تحفظ کی تدبیریں سوچنے اور اُن کو بروئے کار لانے میں گذری، اس طرح ان کی سیاسی بصیرت محض علمی نظریوں تک محدود نہیں رہی، اس میں اُن کے تجربے بھی شامل تھے، اور حکیمانہ فکر بھی تاہم وہ نہ عملی مدبر تھے، اور نہ سیاست کا وہ نظرۂ مفکر اور فلسفی تھے، سیاسی میدان میں انھوں نے جو کچھ بھی کیا یا کہا وہ وقتی مصلحتوں کا تقاضا تھا، یا حالات کا جبر، اس کی قدر وقیمت بھی وقتی اور عارضی تھی، اس لئے ہندوستانی سیاست، ہندوستانی ریاست، ہندوستانی حکومت اور ہندوستانی سیاسی ادارے اُن کی حکیمانہ فکر کے مستقل مرکز نہیں بن سکے، اسلامی ریاست اُن کا نصب العین تھی، موجودہ ریاستوں، اُن کے نصب العینوں، اُن کے اقتدار و اختیار اور حکمرانی کے طریقوں پر انھوں نے کافی نقد کیا ہے، کبھی کبھی وقتی حالات بھی اس نقد کے محرک ہوئے ہیں لیکن اُن کے نقد کا بیشتر حصہ مستقل قدر وقیمت کا حامل ہے، وہ اشتراکی قومی لادینی اور کلیسائی نظریوں کی کم مائگی اور ناہنگی و کوتاہ اسلامی ریاست کے تصور کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتے تھے، اُن کی ریاست دینی بھی ہے، اور دنیاوی بھی آئین

معاہدے کی بھی جھلک ہے، اور خداداد اقتدار کی بھی، قانونِ فطرت کا بھی لحاظ ہے، اور وضعی قوانین کا بھی، اس مین جمود اور ارتقا، دونون کو الگ الگ مقام حاصل ہے، اخلاقی قدرون کی بھی اس مین گنجایش ہی اور اعلیٰ نصب العینون کی بھی، یہ قومی ریاست بھی ہے اور آفاقی بھی،

اقبال کے سیاسی تصور کا تاریخی تسلسل

تاریخ مین غالبًا سب سے پہلے عیسائیت نے زندگی کی ناقابلِ تقسیم وحدت کو دین اور دنیا مین تقسیم کرکے کلیسا اور ریاست دو مستقل اور متحارب ذی اقتدار ادارون کی بنیاد ڈالی، کلیسا کی وحدت نے عالمگیر ریاست کے تخیل کی حوصلہ افزائی کی لیکن رفتہ رفتہ قومی ریاست کا تصور ذہنون پر چھانے لگا پہلے پہلے قومی ریاستون مین خداداد اقتدار کا تصور غالب رہا لیکن قانون فطرت اور معاہدۂ قومی کی نظریون سے آہستہ آہستہ یہ تصور بالکل مغلوب ہوگیا، ہابس نے معاہدۂ قومی کی توجیہ سے ریاست کو غیر محدود اقتدار کا حامل ثابت کیا، لاک نے اس توجیہ پر نہایت کڑی نکتہ چینی کی، اور ثابت کیا کہ ریاست کا اقتدار ایک طرح کی امانت ہے، جو رعیت کی طرف سے اس لئے سپرد کیا جاتا ہے کہ وہ اس کے فائدہ کے لئے اور اس کی مرضی کے مطابق استعمال ہو، اسپنوزا نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ریاست کی ذمہ داری اس حد پر ختم نہین ہوتی کہ وہ شہریون کی جان و مال کا تحفظ کرے، بلکہ اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انسانیت کے تمام اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے مین شہریون کی امداد کرے، روسو نے اپنے رضاکارانہ معاہدۂ عمرانی کی توجیہ سے اگرچہ انفرادی آزادی کی قدر گھٹا دی، اور ریاست کو عضوی کل بناکر اس مین ارادۂ عامہ کو ثابت کیا، اور شہریون پر عام اعضا کی مثال پر ریاست کا اقتدار کلی تسلیم کیا، لیکن ساتھ ساتھ اخلاقی قدرون کی اہمیت پر خاص زور دیا،

کانٹ نے روسو کے خیالات کی فلسفیانہ توجیہ کی، اور اخلاقی اقدار پر غیر معمولی زور دیا، اور ثابت کیا کہ معاہدۂ عمرانی کے وجود مین آنے کا سبب اور ریاست کی تشکیل کی وجہ انسانی آزادی اور خود مختاری کی تکمیل ہی، ریاست کے بغیر افراد اپنے اخلاقی فرائض ادا نہین کرسکتے، جو اُن کا ناقابلِ تنسیخ حق ہے، فشتے نے اپنی ابتدائی تصانیف مین افراد کی آزادی اور حقوق پر زور دیا لیکن آخر مین ان حقوق پر اتنی قیدین بڑھا دین کہ

یہ آزادی برائے نام رہ گئی، فشٹے کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے ریاست کو قومیت اور قومی تہذیب کا مرکز ثابت کیا، اور بتایا کہ زندگی کے اہم مسائل کو سمجھنے اور انسانی جد و جہد و قومی محرک پیدا کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ ہم انسانیت کے مفہوم کو نسل، قوم، اور قومی ریاست کے آئینے میں دیکھیں،

ہیگل نے ریاست کو حقیقی معنی میں عضوی وحدت بنا دیا، اُس نے اپنے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد پر ثابت کیا کہ اصل تصورات ہیں، انسانی ذہن اپنے مادی ماحول کو کسی نہ کسی خاص تصور کو خارجیت دینے کیلئے ترقی دیتا رہتا ہے، اس ضمن میں خود انسانی ذہن بھی ترقی کرتا ہے، اور وہ تصور بھی جس کو ذہن مادی ماحول میں مجسم کرنا چاہتا ہے، یہ ارتقائی عمل اصلاً داخلی ہوتا ہے، اور ان تخلیقی قوتوں کے ذریعہ ہوتا ہے، جو انسانی فطرت میں مضمر ہیں، بجز اس ابتدائی حالت کے جب کہ انسانی معاشرہ اجتماعی وحدت تک نہ پہنچ سکا تھا ان تخلیقی قوتوں کا خارجی میدان عمل ریاست ہوتی ہے صحیح آزادی یہ ہے کہ ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتیں ترقی پاکر کمال حاصل کریں، اس ترقی کے طریقے جو ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے جاتے ہیں، خود بھی داخلی ہوتے ہیں، اور انسانی فطرت بھی انھیں متعین کرتی ہے، فرد کی آزادی کے معنی یہ ہیں کہ وہ جماعت میں محو ہو جائے، اس کے ذاتی حوصلوں کی تکمیل کی یہی صورت ہے کہ اس کا ارادہ معاشرے کے ارادے میں اور اس کا اخلاقی معیار معاشرہ کے اخلاقی معیار میں جذب ہو جائے، ریاست افراد کی خاندانی، اور شہری زندگی کی تکمیل کرتی ہے، اور خارجی قوت کی حیثیت میں ان کی امداد بھی کرتی ہے، اور اصلاح بھی، اُن کی ترقی کے ذرائع فراہم کرتی ہے، اور اُن کے نظام کو مستحکم بھی کرتی ہے، وہی اُن کے لئے نصب العین متعین کرتی ہے، اور مفاد عامہ کو معیار بنا کر ان کا اتحاد قائم رکھتی ہے، ریاست اپنے تصور اور نصب العین پر منحصر اور اسی کا مجسمہ ہوتی ہے، اگر تصور اس مجسمے میں ربط نہ رہے، تو پھر وہ کھوکھلا ڈھانچہ ہے عضوی وحدت کی صورت میں ریاست کی ترقی انہی قوتوں کے ذریعے ممکن ہے جو اس میں موجود رہتی ہیں، یہ قوتیں اسی وقت تک ریاست کو نشو و نما دیتی ہیں جس وقت تک معاشرہ متحرک اور زندہ ہو، اس میں ارتقائی

تصورات ترتیب پاتے رہیں، اور اُن کو مجسّم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی رہے،

اقبال نے انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو خصوصی اہمیت دی، اور تغیر پذیر تصورات اور ارتقائی نصب العینون کے ساتھ اسلام کے اصولی و اساسی اور مستقل تصورات کا اضافہ کیا، اور کائنات کی مستقل روحانی بنیاد کو ان کا ماخذ بنا کر اُن سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی، اور ریاست کو اُن کا مجسمہ قرار دیا، فرد کی آزادی اور بااختیار شخصیت کی انفرادیت کو باقی رکھتے ہوئے اس کو معاشرے سے ہم آہنگ بنانے کی کوشش کی، تصورات کے بجائے انسانی ذات کی خلاقی پر زور دیا، اور پوری کائنات کی باطنی خلّاق قوت کا اس کو شریک قرار دیا، اور بامقصد اور باشعور ارتقار کے نظریے کو فلسفۂ سیاست میں پیوست کیا،

اقبال کی ریاست کے بنیادی عناصر

اقبال نے اسلامی ریاست کا جو تصور پیش کیا ہی اس میں اُن کے مابعد الطبعیاتی افکار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسلامی منصوصات اور عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے عملی نمونوں سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا ہے، مغرب کے فلسفیوں کی خوشگوار خیال بھی اس میں شامل ہیں، اور مشرقی بزرگوں کے اجتہادات بھی ہیگل اور فشٹے کی تصوریت بھی اس میں موجود ہے، اور مارکس کی مادیت بھی، اگر ایک طرف خلافتِ راشدہ کی سادگی ہے، تو دوسری طرف عہدِ جدید کی پرکاری مغرب کی سیاسی آویزشیں اور اقتصادی الجھنیں بھی اُن کے سامنے ہیں، اور کلیسا اور ریاست کی قدیم کشمکش بھی، اور ان سب پر قابو پانے کی کوشش ان کے سیاسی افکار کی خصوصیت ہے، مسلم حکومتوں کے تاریخی تجربوں اور عہدِ حاضر کے ترقی یافتہ نقاط نظر دونوں پر اُن کی نظر ہے، مجموعی حیثیت میں اُن کے سیاسی افکار مغربی نظریوں سے گہرا ربط رکھتے ہیں، اور اسی سلسلۂ فکر کا مستقل تاریخی حلقہ ہیں،

افراد یا شخصیتوں کا باشعور اور بامقصد اتحاد، اُن کی تخلیقی صلاحیتوں کا ہم آہنگ ارتقاء اور انسانی بلکہ کائناتی اعلیٰ مقاصد اور بلند نصب العینوں کے لیے آزاد اور متوافق جدوجہد اقبال کی ریاست کے مقاصد ہیں، اقبال کی ریاست اُن کی خودی اور بیخودی کا سنگم اور انفرادیت اور اجتماعیت کا ملا جلا

نمونہ، اور ایک طرح کی عضوی تالیف ہی جو اپنے اعضاء کی نگران ہے، اور اعضاء کے نشو و نما ہی سے خود بھی قوت حاصل کرتی ہے،

معاشرے کا نشو و نما انسانی افراد کی اصل اور ان کا منبع اگرچہ ایک ہے لیکن وہ خود مستقل اور آزاد وحدتین ہین، نہ اُن کی صلاحیتون کی حد بندی ہے، اور نہ آزادی و اختیار کی،

ممکناتِ قوتِ مردانِ کار　　　گردد از مشکل پسندی آشکار

اگر گردون بکام او نہ گردد　　　بکام خود بگرداند زمین را

نمود و ظہور ہر صلاحیت کا فطری تقاضا ہے کہ "ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی"

لذت گیرد وجود ہر شے　　　سرمستِ مئے نمود ہر شے

افراد کی صلاحیتون کا بہت بڑا حصہ وہ ہے جو اجتماع کے بغیر ظہور پذیر نہین ہو سکتا، یہ صلاحیتین نہ کسی بندھے ٹکے مقصد کی نمایندگی کرتی ہین، اور نہ باہر سے مسلط کئے ہوئے کسی منصوبے کی، ان کی غایت اور ان کا مقصد محض اندرونی اور داخلی ہے جن کے باعث افراد ارتقائی منزلین طے کرتے رہتے ہین،

زجبرِ او حدیثے درمیان نیست　　　کہ جان بے فطرتِ آزاد جان نیست

چمی پرسی چگونست و چگون نیست　　　کہ تقدیر از نہادِ او برون نیست

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم　　　از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود　　　ہزار گونہ فروغ و ہزار گونہ فراغ

اس طرح ایک خاص سمت مین افراد کے ارتقا سے خود بخود نظم اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، کثرت وحدت ہونے لگتی ہے، اور انتشار اتحاد ہو جاتا ہے،

ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم　　　چون نگہ نورِ دو چشیم و یکیم

اور شخص جو غیر محدود آزادی اور اختیار کا مرکز تھا، اس کے اختیارات اور آزادی مین قدرۃً

کمی آجاتی ہے ،

نازتا ناز ست ہمدم خیزدنیاز   نازہا سازد بہم خیز دنیاز

افراد کی آزادی مین یہ پابندی اور اُن کے اختیارات مین یہ محدودیت اُن کے آزاد تعاون اور بے قید ہم مقصدی کی پیدا کی ہوئی ہوتی ہے ،

کثرت ہم مدعا وحدت شود   پختہ چون وحدت شود ملت شود

اس لئے افراد مین نفرت اور عداوت کا جذبہ پیدا ہونے کے بجائے آپس مین محبت اور تعلق بڑھتا ہے

جبر قطع اختیارش می کند   از محبت مایہ دارش می کند

آزادی اور پابندی دونون انسانی فطرت کے تقاضے ہین ، یا یون کہو کہ فرد کی آزادی دوسرون کی آزادی کے ساتھ پابندی ہو جاتی ہے ،

فطرتش آزاد و ہم زنجیری ست   جزو او را قوت کل گیری ست

مگر چونکہ اس مین کسی کا جبر شامل نہین ، بلکہ تعاون اور ہم مقصدی اصل محرک ہے ، اسلئے یہ گویا خود فرد کی خود شکنی اور کثرت پذیری ہے ،

در جماعت خود شکن گردد خودی   تا ز گل برگے چمن گردد خودی

کثرت پذیری کے بغیر فرد کی طاقت محدود اور روبزوال رہتی ہے ، اجتماع کے بغیر مقصد جو فرد کی زندگی کا جوہر ہے ، حقیقت نہین بن سکتا مقاصد کا شعور اور حصول دونون جماعت کے وجود پر موقوف ہین ،

فرد تنہا از مقاصد غافل است   قوتش آشفتگی را مائل است

شخصیت (جو اعمال اور افعال کی بندش اور خفتہ صلاحیتون کے مرکز کا نام ہے) کی کامل فعالی اور اس کا پورا پورا انفرادی ظہور ، دوسری شخصیتون سے تعلق پر موقوف ہے ، اسی لئے جماعت فرد کی خاطر سے وجود مین آتی ہے ، اور اُس کے لئے باعث رحمت ہوتی ہے ،

فرد را ربط جماعت رحمت است جوہر او را کمال از ملت است

اقبال کے نزدیک افراد اور شخصیتوں کی یہ قدرتی ہم آہنگی اور ہم مقصدی اُن کا جوہری ارتباط اور اتحاد سماج اور معاشرے کی تشکیل کی بنیاد ہے،

چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ
با ہزاران چشم بودن یک نگاہ

افراد اور معاشرہ | اقبال کے نزدیک فرد اور معاشرے دونوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے افراد معاشرہ کی نمائندگی کرتے ہیں، تو معاشرہ افراد کی، اگر افراد کی پوری اہمیت اور شخصی عظمت معاشرہ سے نمایاں ہوتی ہے تو معاشرہ بھی افراد کی ہم آہنگی کی کوششوں سے وجود میں آتا ہے اور تالیفی صورت اختیار کرتا ہے،

فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند سلک و گوہر کہکشان و اختر اند
فرد می گیرد ز ملت احترام ملت از افراد می یابد نظام

افراد معاشرے کے بے اثر عناصر نہیں ہوتے، سماج کی بلندی و پستی، اتحاد و انتشار میں افراد کی فعّالی اور اثر اندازی کو خاص طور پر دخل ہوتا ہے،

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس کے ساتھ سماج بھی محض انفعالی اور بے اثر ادارہ نہیں ہے، جو افراد کی فعّالی کا محض منظر ہو، بلکہ اوس کی ایک حیثیت فعّالی کی بھی ہے، جس کے سامنے افراد کی ہستی بھی مجاز معلوم ہونے لگتی ہے،

وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسم مجاز ہو جا

سماج افراد کی قدرتی ضرورتون کو پورا کرتی ہے. اُن کے شخصی تقاضون کی تکمیل کرتی ہے. سماج کے بغیر افراد کی شخصیت ونمو دونون ممکن نہین،

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہین

موج ہے دریا مین اور بیرون دریا کچھ نہین

معاشرے کا مقصد افراد کی شخصیتون کو کچلنا اور اون کی انفرادی صلاحیتون کو خفتہ رکھنا نہین بلکہ افراد کی آزاد ترقیون کے لئے کھلی فضا بہم پہنچانا ہے جس مین ان کا ذوق نمو اور خواہش اظہار پرورش پا سکے، اس کا میدان عمل وسیع اور قوت و اقتدار مین افزائش ہو، اس طرح اوس کی شخصیت مکمل ہو جائے،

فرد تا اندر جماعت گم شود قطرهٔ وسعت طلب قلزم شود

ہر کہ آب از زمزم ملت نخورد شعلہاے نغمہ در عودش فسرد

افراد کی سرجوشیان اور سرمستیان جب اُن کے عمل مین ظاہر ہونے لگتی ہین، تو اُن کے اعمال مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے لگتے ہین، اور یہ بے راہ روی خود افراد کی شخصیت کے لئے تباہ کن ہو جاتی ہے، معاشرہ افراد کی اس قسم کی بے راہ روی کا محاسبہ کرکے اُن کی قوتِ عمل کو صحیح سمت کی طرف مائل کر دیتا ہے،

در دلش ذوقِ نمو از ملت است

احتساب کار او از ملت است

چنانچہ افراد کی ذاتی صلاحیتین معاشرے ہی مین پختہ ہو سکتی ہین، شخصیت کی پختگی کا معیار اوس کی قوت جذب ہے، خودی جتنی پختہ ہوگی، اتنی ہی جذب کی قوت اس مین بڑھی ہوئی ہوگی یہانتک کہ انفرادیت پورے سماج کو اپنے آپ مین سمالیگی، اور کثرت فرد کی وحدت مین گم ہو جائے گی اور

فرد معنوی طور پر خود چلتا پھرتا سماج ہو جائے گا،

پختہ تر از گرمی صحبت شود

تا بمعنی فرد ہم ملت شود

کوئی سماج اس وقت تک مستحکم نہین ہو سکتا جب تک افراد مشترک مقاصد کے لئے اپنی ذاتی خواہشون کو مغلوب نہ کر لین، اور اپنی پوری توجہ ان مقاصد کو پورا کرنے مین صرف نہ کر دین جو نصب العینی اور اصولی ہین،

حضورِ ملت از خود در گذشتن　　　　دگر بانگِ انا الملۃ کشیدن

اقبال کے نزدیک لذّتِ حیات انا کی انفرادی حیثیت اور اس کے اثبات و استحکام اور توسیع سے وابستہ ہے، اصل شے معاشرہ نہین ہے، افراد ہین، افراد کے لئے معاشرہ ہوتا ہے، معاشرہ کے لئے افراد نہین ہوتے،

در جماعت فرد را بینیم ما

از چمن او را چو گل چینیم ما

معاشرہ ان مین ضبط و نظم اور آئین پسندی پیدا کر کے ترقی کے امکانات پیدا کرنے کا وسیلہ ہوتا ہے اور بس،

قوم با ضبط آشنا گرداندش　　　　نرم رو مثل صبا گرداندش

پا بہ گل مانند شمشادش کند　　　　دست و پا بندد کہ آزادش کند

چون اسیر حلقۂ آئین شود　　　　آہوے رم خوے او مشکین شود

معاشرے اور ریاست اس مین شبہہ نہین کہ ریاست سماج کا ادارہ ہے، سماج کی سب سے زیادہ اور سب سے بڑی طاقتین ریاست مین ہی موجود ہوتی ہین، اور وہی ان سے کام لیتی ہے، لیکن سماج مین اسکا وجود

کیسے ہوا، سماج یا افراد کے کسی تاریخی یا تخلیقی اجتماعی معاہدے نے ریاست پیدا کی، یا افراد کی قوت اور جبر نے سماج
پر ریاست کو مسلط کیا، بزرگ خاندان کے خاندانی وقار نے ریاست کی بنیاد رکھی، یا انسان کی فطری اجتماعی
جبلت نے دوسری فطری جبلتون سے مل کر انسانی معاشرے کو جنم دیا، اور معاشرے نے گوناگون خارجی اور
داخلی عوامل کے زیر اثر ریاست کی شکل اختیار کرلی، اقبال نے اس کے بارے مین صراحۃً کچھ نہین کہا ہے
جیسا کہ مین تمہید مین بیان کرچکا ہون، اقبال کے سامنے اسلامی ریاست تھی، عام ریاست اور اس کی نشوونما سے
انھون نے بحث نہین کی، اُن کا مطمح نظر فقط اتنا ہے کہ اسلامی ریاست کی نوعیت کیا ہے؟ اس کا نصب العین
کیا ہے؟ اس کا اقتدار محدود ہے یا غیر محدود، اور کیا اس کی کوئی معقول مابعد الطبیعیاتی بنیاد ہے یا نہین؟
عام ریاست کے بارے مین انھون نے کہین کچھ کہا ہے تو اس کے پس منظر مین بھی اسلامی ریاست کا تخیل مضمر
ہے تاہم اُن کے مابعد الطبیعیاتی سلسلۂ فکر کو دیکھتے ہوئے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ معاشرے کی ترقی یافتہ
شکل کو ہی ریاست سمجھتے ہین، جو ارادے اور مقصد کے تحت معاشرے مین سے ابھرتی ہے، اور رفتہ رفتہ
اختیار و اقتدار حاصل کرلیتی ہے،

اسلامی ریاست کا تاریخی پس منظر اسلامی معاشرے اور اس مین ریاست کے نشوونما اور اس کے اقتدار
کے بارے مین اقبال کا زاویۂ نظر بیان کرنے سے پہلے اسلام کی ابتدائی تاریخ کے ضروری اقتباس پیش
کردینا مناسب ہے، اس سے اقبال کے تصورات کو سمجھنے مین سہولت ہوگی، اور اسلامی ریاست کا جو
تصور اقبال نے پیش کیا ہے اس کی تاریخی قدر کا بھی اندازہ ہوجائے گا،

مکہ اور دعوتِ اسلام مکہ ایک طرح کی خودمختار چند سری شہری ریاست تھی، ریاست کے مختلف ادارے
قریش کے مختلف خانوادون کے شیوخ مین بٹے ہوئے تھے، اندرونی نظم ونسق مین قبائلی رسوم ورواج قانون
وضابطہ تھے، بیرونی تعلقات کا مدار بین القبائلی رواجون پر تھا، اہم معاملات قریش کے خانوادون کے شیوخ
کے مشورے سے طے ہوتے تھے، کبھی کبھی دوسرے اہل الرائے لوگون کو بھی مشورے مین شریک کرلیا

جاتا تھا، یہ تھی تو شہری ریاست لیکن نہایت ابتدائی شکل مین شہری نظام قبائلی نظام سے کچھ ہی آگے بڑھا ہوا تھا حقوق و فرائض اور اختیار و اقتدار کے حدود کی کوئی معین شکل نہ تھی، خاندانی رقابتین، قبائلی عصبیتین، ظلم و ستم سب کچھ موجود تھے نظم و عدل کی گرفت ڈھیلی تھی،

اس معاشرے مین نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک نئی خود مختار تنظیم کی داغ بیل ڈالی، اس نئی تنظیم کی بنیاد ایک اکیلے خدا کے اقتدار مطلق پر رکھی گئی، اسی کے اوامر اور نواہی واجب التعمیل ٹھہرائے گئے، غیر مشروط اطاعت کا مستحق اسی کو قرار دیا گیا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کے فرستادہ اور رسول تسلیم کئے گئے، اس تنظیم مین دینی امور اور دنیوی معاملات کا کوئی امتیاز نہین رکھا گیا نسل، وطن، رنگ، شریف، وضیع اور ملکی و غیر ملکی، کی تمیز کی کوئی گنجائش نہین چھوڑی گئی، اعمال حسنہ کو برتری اور فضیلت کا معیار قرار دیا گیا،

رؤسائے مکہ نے بہت دنون تک تو اس نئی قسم کی تنظیم پر حیرت و استعجاب کے سوا کوئی توجہ نہین کی، مگر جب رفتہ رفتہ یہ تنظیم اُن کو سماج کے لئے خطرناک ثابت ہونے لگی اور انھین یقین ہوگیا، کہ ان نئے اصول کا عملی پہلو اُن کے پُرانے سماج کی جڑ کھوکھلی کرتا چلا جارہا ہے تو انھون نے اس کی منظم مخالفت شروع کردی آخر مین یہ مخالفت اتنی شدت اختیار کرگئی، کہ اس تحریک کے مکے مین پھلنے پھولنے کے تمام امکانات ختم ہوگئے، اور نبی علیہ الصلوٰۃ کو مجبوراً اپنے ساتھیون سمیت مکہ چھوڑنا پڑا، مدینہ مین اس تنظیم کے حامی پہلے سے موجود تھے، اور برابر بڑھ رہے تھے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مبلّغین اور مدینے کے ان نومسلمون کی مشترکہ کوششون سے مدینے مین ایک نیا سماج ابھرنا شروع ہوگیا تھا جس کی قیادت مکے مین آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ مین تھی، چنانچہ آپ نے وہین ہجرت کرنی طے کی، اور مدینے کے وفد سے یہ طے پایا کہ اہل مدینہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھیون کی میزبانی کرین گے، اور اپنے اعزہ و اقارب جیسی اُن کی حفاظت اور مدافعت کرین گے، اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی جنگ کو اپنی جنگ اور اُن کی صلح کو اپنی صلح قرار دین گے، چنانچہ ہجرت سے پہلے ہی حقیقی

معاہدے کے تحت مدینے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک گونہ سیادت تسلیم کرلی گئی جس کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے،

ریاست کی تشکیل

مدینہ میں ہجرت سے پہلے کوئی مرکزی نظام حکومت نہ تھا، عربوں اور یہودیوں کی قریب قریب برابر کی آبادی تھی جن میں باہم حلیفی کے معاہدے تھے، عرب اوس وخزرج نامی قبیلوں کے بارہ خانوادوں میں تقسیم تھے، یہودی قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ کے دس خانوادوں میں بٹے ہوئے تھے، پوری آبادی مدت دراز سے جنگ و جدال میں مبتلا تھی، ہر خانوادے کا اپنی حدود میں راج تھا، عربوں کے ہر خانوادے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل مبلغ اور معلم پہلے ہی سے پہنچے ہوئے تھے جو مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے، مقامی امن پسندوں کی بھی اچھی خاصی تعداد مدینے کے نزاج کو ختم کرنا چاہتی تھی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکی ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گئے، اور مستقل اقامت اختیار کرلی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کے بعد چند مہینوں کے اندر ہی اندر ایک سیاسی معاہدہ یا مدینے کی شہری حکومت کا ایک دستور سب کی رضامندی سے مرتب کیا، اور اس کے تحت مدینے کے نواح کو شہری ریاست میں بدل دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شہری ریاست کے بلا اختلاف امیر تسلیم کئے گئے، ریاست کے دستور میں اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا، مہاجرین کی بسر اوقات کا انتظام کیا گیا، شہر کے غیر مسلم عربوں اور یہودیوں سے مفاہمت کی دفعیں رکھی گئیں، شہری سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کے متعلق ضروری امور طے کئے گئے، عدل وانصاف کو عام مرکزی ادارہ بنایا گیا، اس ریاست کے اقتدار کا اصل سرچشمہ خدا کو قرار دیا گیا، اور اپنے آپ کو اس کا رسول اور نائب تسلیم کرایا گیا، اس تاریخی اجتماعی معاہدے کے تحت اسلام کا یہ نیا معاشرہ جس کی بنیاد اصولوں اور عقیدوں پر تھی اسلامی ریاست میں تبدیل ہوگیا، اور آخر میں یہی مدینہ کی چھوٹی سی ریاست بڑھتے بڑھتے دنیا کی وسیع

سلطنت بن گئی،

اسلامی معاشرہ | بعثت نبوی سے پہلے دنیا مختلف قسم کے سماجون مین بٹی ہوئی تھی، ان سماجون مین اگر کوئی قدر مشترک تھی، تو وہ ظلم، بربریت، اور تنگ نظری تھی، اونچ نیچ، مذہبی عصبیتیں، قومی رقابتیں کسی نہ کسی حیثیت مین ہر جگہ موجود تھین چین ہو یا ہند، ایرانی مقبوضات ہون یا رومی سب مین ابتری پھیلی ہوئی تھی، خونریزیون اور خانہ جنگیون کا دور دورہ تھا، مفید و مضر رسوم و رواج قومون پر مسلط تھے، سطحی مظاہر پرستی نے قومون کے شعور کو ناکارہ کر دیا تھا، محدود قومی مذاہب اپنی افراطون اور تفریطون کے ساتھ لوگون کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے تھے، غرض یہ کہ پوری دنیا مین کوئی ایسا سماج نہ تھا جو حقیقۃً آفاقی نقطۂ نظر پیش کر کے عام امن و سکون کی ضمانت کر سکے، اس لئے دنیا ایسے معاشرے کے لئے چشم براہ تھی جس کی بنیاد معتدل اور عالمگیر اصول اور جس کی نظر انسانیت کے عمومی مفاد پر ہو اور شخصی یا قومی دست برد کے اندیشے سے پاک ہو، عالمگیر انسانی برادری کا تصور، اولاد آدم کی مساوات کا نصب العین انسانی تخیل کی دسترس سے ابھی تک اونچا تھا، اس پر آشوب عہد مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی ابتدا ہوئی، اور اسلام نے اقبال کے بقول انسان کو پہلی بار یہ پیغام دیا کہ

"مذہب نہ قومی ہے، نہ نسلی، نہ انفرادی اور نہ ذاتی، بلکہ انسانی ہے،"

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی

اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اور اس کا مقصد انسانیت کے فطری امتیازون کی مناسب رعایت کے ساتھ انسانیت کو متحد اور منظم کرنا ہے،"

یہ دعوت نہایت سادہ فطری حقیقتون پر مشتمل تھی لیکن یہ فطری حقیقتیں پرانے سماج کے لئے ایک طرح کی دعوت مقابلہ تھین جن سے پرانے سماج کی جڑین کھوکھلی ہوتی چلی جا رہی تھین، اس کے بطن مین ایسی

زندہ حقیقتیں پنہاں تھیں، جن سے اچھوتے اور صالح معاشرے کی بنیاد بن سکتی تھیں، اسلام کا مطمح نظر افراد کی محض اخلاقی اصلاح نہ تھی، بلکہ جیسا کہ اقبال نے کہا ہے،

"یہ انسان کی معاشرتی زندگی میں تدریجی، لیکن بنیادی انقلاب لانا چاہتا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے نسلی اور قومی زاویۂ نظر میں کلی تبدیلی کر پیدا کرلے، اور اُن کے بجائے خالص انسانی شعور کی تخلیق کرے"،

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

اس میں وطنیت اور قومیت نسل و رنگ کے غیر قدرتی اور غیر انسانی امتیازوں کی گنجایش باقی نہیں رکھی گئی، اور سب سے برابر کی دلچسپی اور برابر کی وابستگی تھی،

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا

مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہان ہمارا

اس میں شبہہ نہیں کہ "اس پوری دعوت کی بنیاد الہام و وحی پر تھی، جس کو حیاتیاتی نقطۂ نظر سے شخصی تجربات ہی کہا جا سکتا ہے، لیکن تاریخ نے ثابت کر دیا ہے کہ شخصی تجربے قدر وقیمت کے اعتبار سے شخصی نہ تھے، اُن کی معاشرتی اہمیت تھی" چنانچہ جوں جوں دعوت پھیلتی گئی ایک بالکل اچھوتا سماج اور نئی قومیت وجود میں آتی گئی،

تا نبوت حکم حق جاری کند	پشت پا بر حکم سلطانی زند

در نگاہش برتر از عقل ذوفنون	از ضمیرش امتے آید برون

یہ دعوت کائنات کی حیاتیاتی قوتوں کی ترجمانی تھی، اس کے حرکی ارتقار اور دوامی اصول دونوں کی نمایندہ تھی، انسان کے انفرادی اور اجتماعی دونوں رُخوں کی نصب العینی اصلاح

اس کا تصور تھا،

ہست دین مصطفےٰ دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات

اس دعوت سے جس طرح کی قومیت ابھر رہی تھی، اس کا اصل اصول اقبال کے لفظوں میں "نہ اشتراک زبان تھا، اور نہ اشتراک وطن نہ اقتصادی اغراض کا اشتراک"۔ بلکہ ہم لوگ اس برادری میں اس لئے شریک ہیں کہ مظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے"

با وطن وابستہ تقدیر امم	بر نسب بنیاد تعمیر امم
ملت ما را اساس دیگر است	این اساس اندر دل ما مضمر است
حاضریم و دل بغایب بستہ ایم	پس ز بند این و آن وارستہ ایم

یہ نیا سماج اسلام کے مذہبی تصور سے جدا نہ تھا، بلکہ خود مذہبی تصور کی عملی شکل تھی، مذہب اس کی روح تھا تو سماج قالب،

ملت بیضا تن و جان لا الہ
ساز ما را پردہ گرداں لا الہ

یہ سماج فلسفے کا نیا مکتب خیال نہ تھا جس کے ارکان کی عقلی موشگافیاں اور فکری نکتہ رسیاں غیر شعوری طور پر کچھ خاص میلانات رکھتی ہوں جنھیں عمل سے کوئی واسطہ نہ ہو، بلکہ اسلامی تصورات اور معتقدات عملی زندگی کے واحد طریقۂ کار کے طور پر جب تک سماج کے دل و دماغ عقل و جذبات پر حاوی نہ ہوں اور اس کے طرز عمل اور طریقۂ فکر کو متعین نہ کریں، اس وقت تک نہ سماج اسلامی ہو سکتا ہے، اور نہ افراد،

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو	خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام

آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملّا نہ فقیہ		وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

افراد کے افکار اور کردار کی یہ وحدت جب تک غیر محسوس رہتی ہے، افراد صرف افراد ہوتے ہیں، ان میں معاشرتی اہمیت نہیں آتی، زندگی میں انھیں فعّال اور اثر انداز حیثیت حاصل نہیں ہوتی لیکن جونہی یہ معاشرتی زندگی میں محسوس شکل اختیار کر لیتی ہے، اور ممتاز اور متعین صورت کے ساتھ انسانی زندگی میں فعّال حقیقت بن جاتی ہے، تو سماج وجود میں آجاتا ہے، اور مستقل اہمیت رکھنے لگتا ہے،

قوتِ دین از مقامِ وحدت است

وحدت از مشہود گردد ملّت است

چنانچہ اسلام کا یہ نیا سماج جو افکار و کردار دونوں کے اعتبار سے اسلامی تصوّرات اور معتقدات کا نمایندہ تھا، اور جس میں ابتدا ہی سے خود اختیاری اور استقلال کا رنگ نمایاں تھا، اپنی ہمہ جہتی تنظیم کی بدولت خود بخود سیاسی تنظیم بن گیا، جو معاشرے کی وحدتِ خیال اور وحدتِ کار کا قدرتی ثمرہ تھا،

فرد از توحید لاہوتی شود

ملّت از توحید جبروتی شود

اسلامی معاشرے کی یہ سیاسی وحدت ایک عمرانی معاہدے کے تحت آنکھوں دیکھتے مستقل ریاست بن گئی،

اسلامی ریاست اسلامی ریاست اسلامی معاشرے کا معاہداتی محدود الاقتدار دستوری ادارہ ہے، اور یہ ادارہ خود غایت اور نصب العین نہیں بلکہ اخلاقی مقاصد رکھتا ہے، یہ ایک طرح کی عضوی تالیف ہے، جس کے اجزا، یا اعضا، کی قدر و قیمت اس اجتماع کے اندر پیدا ہوتی ہے، تاہم اقبال کے نزدیک افراد اس اجتماع کے بے جان پرزے نہیں، بلکہ زندہ عناصر ہیں، اور مستقل انفرادیت و شخصیت اور اپنی اس امتیازی نوعیت کی بنا پر اپنے مستقل حقوق رکھتے ہیں، اور ان پر مستقل فرائض عائد ہوتے ہیں،

اسلامی ریاست مین دین و دنیا کی تفریق نہین، وہ دنیوی بھی ہے، اور دینی بھی، نقطۂ زاویہ نظر کا فرق ہے، یہ کلیسا بھی ہے اور ساتھ ساتھ ریاست بھی۔

بیا میز ند چون نور دو قندیل میندیش افتراق ملک و دین را

یہ خود تو ایک وحدانی حقیقت ہے نا قابلِ تحلیل و تجزیہ، لیکن دیکھنے والون کو انداز نظر الگ الگ ہو سکتے ہین، اگر محض فعلی اور عملی حقیقت کو سامنے رکھا جائے اور اس تحریک اور فعالی سے صرف نظر کر لی جائے جو زندگی کی بے تھاہ گہرائیون مین سے ایک خاص نصب العین کو حقیقت اور واقعیت بنانے کے لئے اُبھر رہی ہے، تو یہ ادارہ ریاست ہے، لیکن اگر اس پسِ پردہ تحریک کا لحاظ کیا جائے تو یہی ادارہ کلیسا ہے، خود ادارے کے یہ دو رُخ نہین ہین، اُس کی فعلیت اور عملیت اس کی فعالی اور عملیت سے جدا نہین، حرکت اور تحریک ایک ہی حقیقت ہے، اسلامی سماج اسلام کے ہمہ گیر تصور حیات کا مظہر ہے، اس مظہر کا پیکر اسلامی ریاست ہے، اسلامی ریاست کے بغیر اسلام کا ہمہ گیر تصور حیات مجسم صورت مین سامنے نہین آتا،

روح ملت را وجود از انجمن روحِ ملت ہست محتاج بدن

اسلامی ریاست ایسے سماج کا سب سے بڑا مقتدر ادارہ ہے، جو اپنی ساخت مین اصولی ہے، رنگ، نسل اور جغرافیائی حدود کو اُس کی تشکیل مین کوئی دخل نہین، اس لئے خود ریاست کی بنیاد بھی اصولوں پر ہے، چنانچہ وہ جماعت یا افراد جو اسلامی معاشرے کے بنیادی اصول کو تسلیم نہین کرتے، اور اس روحانی نصب العین کو روبکار لانے مین اُن کی عقلی اور جذباتی ہمدردیان شامل نہین، جس کے لئے ریاست وجود مین آتی ہے، اسلامی ریاست کی براہ راست نمایندگی نہین کر سکتے، اقبال نے اس بارے مین اگرچہ کسی قطعی راے کا اظہار نہین کیا ہے، لیکن اُن کا رجحان اسی طرف معلوم ہوتا ہے، کہ امارت خواہ شخصی ہو یا اجتماعی غیر مسلم جزواً یا کلاً اس کے نمایندے نہین ہو سکتے،

چونکہ اسلامی ریاست حقیقی معنی مین کسی اقتدار کی مالک نہین وہ بطور خود نہ معاشرے کو قانون

عطا کرتی ہے، اور نہ اپنے اختیار سے اس کا نفاذ کرتی ہے، صرف خدائی قانون کی تشریح و تعبیر اس کی قانون سازی ہے، اور ایک کارکن کی حیثیت سے احکام کی تعمیل اس کی تنفیذ ہے، اس کی ذاتی حیثیت معاشرے کے دوسرے افراد سے نہ بہتر ہے اور نہ برتر،

رسم و راہ و دین و آئینش ز حق زشت و خوب و تلخ و نوشینش ز حق

اس لئے خود ریاست و امارت بھی خواہ شخصی ہو یا جماعتی نہ قانون اور ضابطے سے ماوراء ہے اور نہ نفاذ کے لئے سپر، امیر کے ذاتی فرائض بھی ہیں، اور ذاتی حقوق بھی، وہ دوسرے عوام کی طرح قانونی مطالبہ کر سکتا ہے، اور عوام کی طرح خود اس سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے، چارہ جوئی کے ضابطے سب کے لئے یکسان ہیں،

عبد مسلم کمتر از احرار نیست خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

پیشِ مولا بندہ و مولا یکے ست بوریا و مسند و دیبا یکے ست

بلکہ جہان تک فرائض کا تعلق ہے، امیر کے فرائض عوام سے کہین زیادہ اور حقوق عملاً کم ہوتے ہین،

سروری در دینِ ما خدمت گری ست

عدلِ فاروقی و فقر حیدری ست (باقی)

محمد علی

ذاتی ڈائری کے چند ورق

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم کے سوانح وحالات وقائع زندگی جو صاحب تفسیر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادی مدیر صدق کے ذاتی مشاہدہ و تجربہ مین آئے اس مین اُن کی زندگی کے ہر پہلو پر نہایت بسط و تفصیل کیا تھ روشنی ڈالی گئی ہی، محمد علی مرحوم کیا کچھ تھے اسکی صحیح تصویر اس کتاب مین نظر آسکتی ہی، قیمت ہے (حصہ اول) "منیجر"

کندی کا فلسفہ

از

جناب ڈاکٹر صغیر حسن صاحب معصومی استاذ شعبۂ عربی و اسلامیات ڈھاکہ یونیورسٹی

عالمِ اسلام کا سب سے پہلا، قابلِ ذکر مسلمان اور تنہا عرب فلسفی، ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی (المتوفی ۲۵۲ھ) ہے جس کا حال معارف نمبر۶ جلد ۷۱، جون ۱۹۵۳ء میں زیرِ عنوان کندی اور اس کا فلسفہ" ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی (لنڈن) بیرسٹرایٹ لا صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد کے قلم سے شائع ہو چکا ہے، چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا مقالہ ابن القفطی کی متداول تاریخ الحکما، ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبار اور لطفی جمعہ کی تاریخ فلاسفۃ الاسلام کی روشنی میں ترتیب پایا ہے، اور نئی تحقیقات پر مشتمل نہیں ہے، اس لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ قارئین معارف سے ایک مصری مستشرق محمد عبد الہادی ابوریدہ، استاذ جامعہ مصر، قاہرہ کے شائع کردہ "رسائل الکندی الفلسفیہ" کا تعارف کرا دیا جائے گو یہ یقین ہے کہ بعض قارئین ضرور اس کتاب سے واقف ہوں گے لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف سے اس کا مستور رہنا ضرور باعثِ استعجاب ہے، نیز اس خیال سے کہ کندی کے فلسفیانہ افکار کا تذکرہ خود اس کے رسائل کی روشنی میں کم از کم اردو داں اصحاب کے لئے ضرور مفید ثابت ہوگا، اس سے اردو زبان کی خدمت بھی ہو جائے گی، جیسا کہ راقم سطور اپنے مضمون "ابن باجۃ الاندلسی" (معارف فروری، مارچ ۱۹۵۴ء) میں تحریر کر چکا ہے کہ آج تک جو کچھ بھی اس کے فلسفہ پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ڈی بور کی تاریخ فلسفہ در اسلام وغیرہ میں لکھا گیا ہے، اس کا دار و مدار ابن القفطی، ابن ابی اصیبعہ اور ابن صاعد کی کتابوں کے

علاوہ مونک کی کتاب الرابطہ بین فلسفۃ الیہود والمسلمین پر ہے، لیکن چند سال ہوئے مشہور جرمن مستشرق ایچ ریٹر (H. Ritter.) نے قسطنطنیہ کی لائبریری میں ایک ایسے مخطوطہ کا پتہ لگایا جس میں تقریباً تیس بتیس رسائل کندی کی طرف منسوب ہیں، اس مخطوطہ پر کئی سال سے جامعہ مصر کے ایک استاد محمد عبد الہادی ابوریدہ کام کر رہے تھے، ۱۹۵۲ء میں انھوں نے چودہ رسائل کو ایڈٹ کرکے رسائل الکندی الفلسفیہ جزو اول کے نام سے شائع کیا تھا، ان رسائل کے ساتھ ایک مقدمہ کا بھی اضافہ کیا ہے جو الگ بھی شائع ہوا ہے، اس طویل مقدمہ میں کندی کے حالاتِ زندگی، اور اس کے فلسفہ پر عالمانہ اور تفصیلی بحث کی گئی ہے،

ان رسائل کی دریافت سے قبل لوگوں کو کندی کے سائنٹسٹ ہونے کا علم زیادہ، اور فلسفی ہونے کا کم تھا، لیکن ان رسائل کی اشاعت کے بعد یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کندی کی حیثیت بطور مفکر کے بہت بڑی ہے، بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ بعد کے مسلمان فلسفیوں شلاً فارابی اور ابنِ سینا نے بڑی حد تک کندی کا اتباع کیا ہے، اور اسلامی طرز تفکر کی داغ بیل سب سے پہلے کندی کے ہاتھوں پڑی، مسلمان فلاسفہ کے جس مذہبی تفکر کو یورپین مستشرقین نوافلاطونی تفکر کا نتیجہ کہکر نظرانداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ درحقیقت اسلامی بود و باش، اسلامی نشو و نما، اور مذہبی ماحول کا نتیجہ ہے، نوافلاطونی خیالات سے تو مسلمان فلسفیوں کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اس سلسلہ میں، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے، (معارف، فروری ۱۹۵۴ء ابن باجہ) ابنِ ناعمہ حمصی کے ترجمہ مسمّٰی اُثولوجیا (Theology of Aristotle) کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو کہ درحقیقت فلوطین (Plotinus) جو بانیِ فلسفہ نوافلاطونی ہے، اس کی کتاب تاسوعات (Enneades.) کے بعض ابواب کا خلاصہ ہے جس کو سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا، اور حسب بیان ابن ندیم (فہرست ص ۲۵۲، طبع یورپ) کندی نے اس ترجمہ کی تصحیح کی، مگر جہاں تک کندی کے مطبوعہ رسائل کا تعلق ہے کہیں اس کتاب کا ذکر نہیں، نہ اس کا تاثر ہی کندی کے افکار میں ظاہر

ہوتا ہے، اس مجموعہ مین کندی کا وہ رسالہ بھی شامل ہے جس مین ارسطاطالیس کی کتابون کا تذکرہ باتفصیل ہے، اس رسالہ سے مستشرقین کا یہ اعتقاد کہ یونانی فلسفہ مین عربون کا اعتماد اوّل اوّل ان کتابون پر رہا، جو ارسطو کی طرف غلطی سے منسوب کردیگئی تھین، بالکل باطل ثابت ہوتا ہے، کیونکہ کندی نے جو فہرست ارسطو کی تصنیفات کی اس رسالہ مین دی ہے، اس میں کوئی کتاب ایسی نہین جو منحول ہو، اور ارسطو کی تصنیف نہ ہو۔

کیا کندی مترجم تھا؟ جہان تک یونانی اور سریانی کتابون کے ترجمہ کا تعلق ہے، یہ ثابت نہین ہوتا کہ کندی نے کس کتاب کا ترجمہ کیا، ابن ابی اصیبعہ کا بیان کہ کندی حذاق مترجمین سے تھا (طبقات ج ا ص ۲۰۷) اور ابن القفطی (تاریخ ص ۶۹ و ۷۰) کا یہ لکھنا کہ بطلیموس کے جغرافیہ کو کندی نے عربی مین ترجمہ کیا، قابل نظر ہی، ابن ندیم یا دوسرے متقدمین کے یہان کندی کا شمار مترجمین مین نہین، یہ صحیح ہے کہ کندی نے اپنے رسالہ الحدود مین یونانی الفاظ کی تشریح کی ہے، اور مختلف اصطلاحی محاورون کی تعریف لکھی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ مترجم تھا، مثلاً فلسفہ کی اشتقاقی تعریف بیان کرتے ہوے کندی لکھتا ہے،

الفلسفة.....اعامن اشتقاق	فلسفہ کی تعریف اس کے نام کے اشتقاق
اسمها، وھو حبّ الحکمة	کے لحاظ سے حکمت کی محبت ہے کیونکہ
لان فیلسوف ھو مرکب مین	لفظ "فیلسوف" ، "و لفظون" فلا "بمعنی عاشق
"فلا" وھی مُحبّ و مِن "سوفا" و	اور "سوفا" بمعنی حکمت سے مرکب ہی،
ھِیَ الحِکْمَة،	(رسائل ص ۱۷۲)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یونانی کلمہ کی صحیح عربی شکل "فیلوسوفیا" ہے، جو "فیلوس" بمعنی عاشق و موثر اور "سوفیا" بمعنی حکمت، سے مرکب ہے، یہ صحیح تلفظ عرب فلسفیون کے یہان نہین ملتا، خوارزمی (مفاتیح العلوم ص ۷۹) کے یہان بھی صحیح طور پر معرب نہین، اگر کندی یونانی جانتا، تو غلط طور پر لفظ کی تعریب ہرگز نہ کرتا اس لئے ترجمہ سے مطلب بظاہر اس کے سوا کچھ نہین ہوسکتا کہ کندی نے یونانی فلسفہ کے مطالب کی تشریح و

تفصیل عربی زبان مین کی،

فلاسفۂ اسلام مین کندی بہت بڑا اور جلیل اور آزاد متفکر ہے، جہان یونانی فلسفہ کا حوالہ دیتا ہے آخذ کے بیان مین غلطی نہین کرتا، اور انہی فلسفیانہ اصولون کو پیش نظر رکھتا ہے، جن کو سارے سچے مذاہب کے اصول سے اتفاق ہے چنانچہ ذات باری تعالیٰ کا جسمیت سے منزہ ہونا حدوث عالم تناہی جرم عالم، مسئلۂ نبوت، حشر و نشر وغیرہ جیسے عام مسائل کے بیان کرنے مین کندی نے بڑی تفصیل سے کام لیا ہی،

کندی مذہب کا پکا اسلامی عقائد کا متمسک اور غیور تھا، اپنی عقلی و فلسفیانہ فکر سے اسلام کے بنیادی اصولون کی محافظت اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کی مدافعت کرتا تھا شرعی احکام کا اس قدر پابند تھا کہ جب حسب بیان ابن القفطی (ص ۲۴۷) ایک ایسے مرض مین مبتلا ہوا جس کا علاج شراب کے سوا کچھ نہ تھا، تو بھی اس کو شراب کا استعمال گوارا نہ ہوا، اور دوسرے قسم کے علاجون پر مُصر رہا جس سے فائدہ نہ ہوا، مگر اس نے اُس کی پروا نہ کی، اور جان جان آفرین کے سپرد کردی،

عباسی خلفار المامون، المعتصم، اور المتوکل کے زمانون مین کندی بڑا ہر دلعزیز رہا، اور اُن کے دربارون مین اس کی بڑی قدر و منزلت رہی، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ فکری آزادی حاصل تھی، معتزلہ کا زور تھا، او یونانی و ہندی علوم عربی زبان مین ترجمے ہو رہے تھے،

کیا کندی معتزلی تھا؟ | مذہبی بحث و مباحثے، غیر اسلامی علوم کے حوالے، ایسی خصوصیات ہین جن کے لئے معتزلہ مشہور تھے، مگر ان علوم سے شغف رکھنے کے باوجود یہ ثابت کرنا سخت مشکل ہے، کہ کندی معتزلی تھا، اس مین شبہہ نہین کہ اس کے بعض رسائل ایسے بھی ہین جن کے سرنامہ سے اعتزال کا میلان ظاہر ہوتا ہی،

مثلاً کتاب التوحید جو خدا کی وحدانیت پر ہے،

کتاب فی ان افعال الباری کلها عدل لا جور فیها،	(مخطوطات یعنی)	اس موضوع پر کہ اللہ پروردگار کے سارے افعال انصاف کو حامل ہین اور کسی فعل کو ظلم و

عدل و توحید کے یہ نظریے معتزلہ کے بنیادی نظریوں مین سے ہین لیکن یہ نظریے معتزلہ کے ساتھ مخصوص نہین، ملاحدہ، مجوس اور عیسائیون کے مشترک مسائل حسب ذیل تھے،:

"مسئلہ نبوت، کسب، جزء لایتجزیٰ، نیز یہ نظریہ کہ ابتداء خلقت مین جسم متحرک تھا، یا ساکن، خلق عالم، اشیاء کا محدود ہونا وغیرہ وغیرہ"

ان کی تردید مین اس وقت کے متکلمین سرگرم تھے، چونکہ ان نظریون کی تردید کرنا، کندی کا مقصد زندگی تھا، اس لئے وہ بظاہر معتزلہ کا ہمنوا نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ معتزلہ بھی اس کی رد و کد سے نہیں بچے، اسکی تفصیل کے لئے ایک ایسے مسئلہ کی توضیح کر دینی ضروری ہے، جس کے متعلق لوگ مختلف رائین رکھتے تھے، اس وضاحت کے لئے ہم اس نظریہ کو کہ اشیاء محدود ہین، انتخاب کرتے ہین،

متکلمین اسلام اس بات پر متفق ہین کہ اشیا ضروری طور پر محدود ہین، ایک وقت ایسا تھا جب یہ معدوم تھین، مگر ان کے ابدی ہونے کے بارہ مین علماء کی رائین مختلف ہین، کچھ تو اس بات کے قائل ہین کہ ابدی نہین، اور انتہا یعنی ایک حد کو پہنچنے والی ہین، کچھ اس خیال کے حامی ہین کہ مستقبل مین ان کا وجود ابدی ہوگا،

جہم بن صفوان (المتوفی ۱۲۸ھ ۷۴۵ء) کا اعتقاد تھا کہ ساری چیزین جن مین بہشت و دوزخ بھی شامل ہین، یقیناً فنا ہو جائین گی، اور صرف ذات باری تعالیٰ تنہا باقی رہ جائے گی، فنا کے بعد اللہ تعالیٰ اسی طرح اکیلا رہے گا، جیسا کہ اس عالم کے خلق سے پہلے تھا، وہ اپنی تائید مین قرآن پاک کی اس آیت کو پیش کرتا ہے:-

ھُوَ الاوّل والآخر والظاھر و الباطن،	اللہ ہی ابتدا ہے اور وہی انتہاء وہی ظاہر ہے، اور وہی باطن،

اسکافی اور نظام کا خیال ہے کہ ساری پیدا کی ہوئی چیزین دنیا و مافیہا، حرکت زمان وغیرہ،

بدیہی طور پر ازلی نہیں، ایک وقت تھا جب کہ وہ معدوم تھین، پھر وجود مین آئین، اُن کا وجود خدا کی مرضی اور ارادہ پر موقوف ہے، وہ اگر چاہے تو ہمیشہ ہمیشہ ان کو قائم رکھ سکتا ہے،

ابو الہذیل علاف کا مسلک ہو کہ اشیار اگر ازلی نہین تو ابدی بھی نہین ہو سکتین، اگر اُن کا وجود پہلے نہین تھا، اور بعد مین وجود مین آئین، تو ظاہر ہے کہ انتہاً بھی ہمیشہ کے لئے وجود سے ہم کنار نہین رہ سکیتں، ابو الہذیل کی ساری توجہ ایک خدا کے وجود کو ثابت کرنے کی جانب ہو، وہ کسی چیز کو لاانتہا ہونے مین "خدا کا شریک ہونا پسند نہین کرتا،

اب اس بارہ مین کندی کی رائے کو قسطنطنیہ کے مخطوطہ سے نقل کرتے ہین،

لیس کل مالہ اول فلہ آخر ، کل العدد لہ اول ولا آخر لہ وکذلک الزمان لہ اول ولا آخر لہ ، فکل (ذی) آخر فذو نہایۃ ولیس کل ذی نہایۃ فلہ آخر، (ورق ۵ نقل کردہ، ابو ریدہ رسائل الکندی ص ۳۰، فٹ نوٹ)

ہر وہ چیز جس کی ابتدار ہو، ضروری نہین کہ اس کی انتہا بھی ہو، مثلاً عدد، اس کی ابتدا ہے مگر انتہا نہین، اسی طرح زمانہ کہ کسی کا شروع ہے مگر آخر نہین، غرض ہر وہ چیز جس کی انتہا ہے، محدود ہے، لیکن ہر محدود کے لئے ضروری نہین کہ انتہا ہو"

خلاصہ یہ ہے کہ کندی "خلق عالم کا قائل ہے مگر ساتھ ہی اس کا فلسفہ اس بات کو روا رکھتا ہے کہ اگر ارادہ خداوندی ہو تو عالم فنا ہونے کے بجائے ہمیشہ قائم رہ سکتا ہے، اس کے رسائل مین جا بجا یہ خیال دہرایا گیا ہے، کہ دنیا محدود ہے. اس کی مدت اللہ کے ارادہ مین متعین ہے"،

(رسائل: ص ۲۳۱ و ۲۴۷.)

اگرچہ امام غزالی نے عالم کی ابدیت کے نظریہ کی تردید سختی سے کی ہے مگر ابو الہذیل کے اس

نظریہ کا بھی رد کرتے ہین کہ عالم کے لئے انتہا لازم ہے، ان کا قول یہ ہے کہ ایک مخلوق چیز کے لئے ضروری نہین ہے کہ اختتام کو پہنچے اور فنا ہو جائے، البتہ ابتدار ہونا لابدی ہے، ابو الہذیل کی اس دلیل کو کہ جیسے زمانہ ماضی کے لئے انتہا ضروری ہے، اسی طرح مستقبل کو آخر تک پہنچنا ہے، امام غزالی نے اس طرح قابل رد ثابت کیا ہے کہ زمانہ مستقبل "وجود" مین کسی طرح شامل نہین، نہ پائے جاتے ہین نہ وجود کے لازمہ کے طور پر اور نہ معیت کے لحاظ سے، اس کے برعکس ماضی کا پورا حصہ وجود مین بطور لازمہ کے شامل ہے، گو معیت نہین پائی جاتی، اس لئے عالم کی ابدیت کا ناممکن ہونا اُن کے نزدیک ضروری نہین، اس کا فنا ہونا اور ابدالآباد تک قائم رہنا دونون عقلاً ممکن ہین، یہ مذہب ہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ کون اصل حقیقت ہے، فنا ہونا یا اس کا ابدی ہونا،

اس مثال سے واضح ہو جاتا ہے کہ کندی مشکل مسائل کا حل خود اپنے طور پر سوچتا ہے، جو عموماً علمائے اسلام کے حل کے مطابق ہوتا ہے، جو کبھی معتزلہ کی رائے کے مطابق بھی ہو جاتا ہے، اور کبھی امام غزالی کے نظریہ کے، حالانکہ ارسطو کے فلسفہ پر اوس کی نظر بڑی وسیع ہے، مگر جیسا کہ دوسرے حکمائے اسلام کا مسلک ہے، کندی ان نظری و عقلی اصولون پر جو مذہب اسلام کے بنیادی اصول ہین، بڑی سختی سے عمل کرتا ہے،

اپنے رسالہ "فی الابانة عن العلة الفاعلة القریبة للکون والفساد" (کون و فساد کی علت فاعلہ قریبہ کے بیان مین) مین کندی لکھتا ہے،

والعلة الفاعلة اما تکون	علتِ فاعلہ یا قریب ہے یا بعید، علتِ
قریبة واما ان تکون بعیدة،	فاعلہ بعیدہ کی مثال، جیسے تیر پھینکنے والا
اما العلة الفاعلة البعیدة فکالرامی	ہے، جس نے کسی حیوان پر تیر پھینکا، اور اس
بسهم حیوانا فقتله، فالرامی بالسهم	حیوان کو مار ڈالا، تو تیر پھینکنے والا مقتول
هو علة قتل المقتول البعیدة،	کی علت بعیدہ ہے، اور نیز علتِ قریبہ

والسّهم علة المقتول القريبة	کیونکہ تیر پھینکنے والے نے مقتول کو قتل
فانّ الرامی فعل حفز السّهم قصداً	کرنے کے ارادہ سے تیر کو نشانہ پر کھینچا،
لقتل المقتول، والسهم فعل قتل	اور چھوڑ دیا، اور تیر نے اپنے زخم سے
الحی بجرحه اياه، وقبول الحیّ	ایک ذی حیات کے قتل کا عمل کیا،
من السّهم اثرا بالمماسة"	اور ذی حیات نے تیر سے بالمس اثر
(رسائل ص۲۱۹)	کو قبول کیا،

کندی کی یہ مثال عموماً معتزلہ کے مباحث علت و معلول مین ملتی ہے، اس کے رسائل مین اور بھی ایسے شواہد ہین جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ اسکے خیالات بہت حد تک معتزلہ کے خیالات سے ملتے جلتے تھے مثلاً یہ نظریہ کہ خدا پر واجب ہے کہ اپنی مخلوق کے مصالح کا خیال رکھے، (دیکھو رسائل ص ۲۳۲ و ۲۲۷): وان هذا من تدبیر حکیم علیم قوی جواد عالم متقن لما صنع، وأن هذا التدبیر غایة الاتقان اذ هو موجب الامر الاصلح کالذی قد تبیّن وکما نحن مثبتوه فیما یتلوا،

ان مثالون کے الفاظ کندی کے معتزلی ہونے کو قطعی طور پر ثابت نہین کرتے،

فلسفۂ کندی دنیا و مافیہا پر غور و فکر کرنا مسلمانون کے لئے کوئی انوکھی بات نہین، خود قرآن پاک مظاہر فطرت و موجودات عالم خصوصاً جسم انسانی کے نظام پر غور کرنے کی تلقین کرتا ہے، خالق و مخلوق کی بحث مختلف زاویۂ نگاہ کے تحت قرآن پاک مین موجود ہے جو مذہبی اور فلسفیانہ دونون حیثیتین رکھتی ہے، اور اسلام اپنے اصولون کی صحت اور اپنی تعلیمات کی حقانیت کے ثبوت مین ہمیشہ عقلی و فکری دلائل پیش کرتا ہے، تنہا نصون یا معجزات پر اکتفا نہین کرتا،

اسی لئے ابتدا سی علمائے اسلام مذہبی مسائل اور دوسرے اقوام کے نظریون کی تحقیق و تلاش مین انتہائی وعقلیت پسندی کی بنا پر مشغول رہے اجماعت صحابہ مین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دنیا کی دوسری

اقوام کی تاریخ اور اُن کے نظریوں و معتقدات کے سننے کے شائق تھے، اموی شاہزادہ، خالد بن یزید (المتوفی ۸۵ھ) بڑا فلسفی تھا، اور ایسے لوگوں کا قدردان تھا، جو فلسفہ اور کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ اس کے لئے کرتے تھے، یہ سائنس کے مختلف شعبوں سے شغف رکھنے کی وجہ سے حکیم آل مروان کے لقب سے مشہور ہوا،

عربوں کی تعداد اُن غیر عربوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، جو دائرۂ اسلام میں تو داخل ہو گئے تھے مگر وہ مذہب کے علاوہ اپنی قومی تہذیب کے پابند تھے، اور اُن کے بہت سے افکار و خیالات بھی عربوں سے مختلف تھے، پھر بھی جب تک عربوں کو سیاسی و روحانی برتری حاصل رہی، ان اقوام کے غیر اسلامی خیالات اُن کے دماغوں ہی میں دبے رہے، مگر فکری آزادی ملتے ہی ان خیالات نے ایک نئی شکل اختیار کر لی، اور آزادی رائے صفات باری اور مذہبی علم کے معیار وغیرہ جیسے معرکۃ الآرا مسائل پر چھان بین کرنے لگے، اور ...... دوسری صدی ہجری کے نصف اوّل سے خیالات کی آزادی کی ابتدا ہو گئی،

خلافتِ عباسیہ کے قیام کے ساتھ انسانی روح کا مزید ارتقا ہوا، اور اسلامی سیاست نے غیر عربوں کو اسلام کے اوّلین جمہوری اصول پر غور و خوض کرنے پر ابھارا، جس سے عقلی بیداری اور آزادی فکر کے ساتھ زندقہ کا زور ہوا، ایک طرف اجنبی زبانوں، خصوصاً یونانی زبان کی کتابوں کے ترجمے ہونے لگے، جن سے متفکرین کو ایک وسیع میدانِ خیال مل گیا، اور وہ دقیق مسائل حل کرنے لگے، دوسری طرف نظری علم کلام کی نشو و نما معتزلہ کے ہاتھوں ہونے لگی، یہ وہ زمانہ تھا جب ملاحدہ اور دوسرے مذاہب کے لوگ اپنے معتقدات کو اسلام کے نام سے لوگوں میں پھیلا رہے تھے، اس سے خود مسلمانوں میں افتراق و تشتت رو نما ہوا اور اسلام کی بنیادیں کھوکھلی ہونے لگیں، یہاں تک کہ محتاط متکلمین اسلامی اصول کو اپنے اپنے عقلی نظریوں کے مطابق لوگوں کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہوئے، اور قرآن پاک کی تاویلیں فلسفیانہ اور عقلی اصول کے موافق کرنے لگے، اس لئے ہمارے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اسلام اور اُن معتقدات میں تمیز کریں جو مسلمانوں میں رواج پا گئے تھے مگر اُن کو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی رجحان کو اس کی اصل شکل میں پہچانیں،

تاکہ ان کو دوسرے رجحانات سے جدا کرسکیں، اسی کے ساتھ الفاظ واصطلاحات کے مسلمانوں کے مقرر کردہ معانی اُن غیر مسلموں کے معنی میں امتیاز کرنا بھی ضروری ہے، کیونکہ بعض مابعد الطبعیاتی فلسفیانہ اصطلاحات کے معانی بھی مسلمانوں کے لئے غیر معروف اور انوکھے ہیں،

یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مسلمانوں کے فلسفہ کے دو ماخذ ہیں، اسلام اور فلسفۂ یونان قطع نظر اس سے کہ فلسفۂ یونان اپنی کلاسیکل شکل میں، یا نو افلاطونی شکل میں ماخذ ہے) نیز یہ کہ اس فلسفہ سے مسلمان مفکرین کو اسلامی تخیلات کے اظہار اور اپنی آرا کی تعیین کیلئے بہت سامواد ملا، یہ بھی حقیقت ہے کہ مذہبی اور فلسفی مسائل کے درمیان تفریق کرنا سخت دشوار ہے،

اس سلسلہ میں سب سے اہم کام معتزلہ اور سب سے قدیم اور بڑے فلسفی کندی کے فلسفیانہ رجحانات کے آخذ کی چھان بین ہے، ہم "رجحانات" کا لفظ اس لئے استعمال کرتے ہیں کہ مسلمان مفکرین نے کسی چیز کی کبھی نقالی نہیں کی، بلکہ انھوں نے دوسروں کے آراء کو پڑھ کر اُن کو ایک نئے قالب میں اس طرح پیش کیا، کہ اپنے وقت کی روحانی وعقلی زندگی کے نئے نظام میں موزوں ثابت ہو سکیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان مفکرین نے اپنے تفکیری نظام میں خواہ وہ نظام عقل پر مبنی ہو، جیسے معتزلہ کا نظام، یا اجنبی فلسفیانہ تفکیر پر، جیسے حکمائے اسلام کا نظام، ہمیشہ اپنی اسلامی انفرادیت کو واضح طور پر برقرار رکھا، کیونکہ اسلام خود عقل و نظر اور دلیل و برہان کا مذہب ہے، اس سے نہ معتزلہ کی تنقیص ہوتی ہے (کیونکہ وہ مشکل ترین وقت میں اسلام کے تنہا محافظ رہے ہیں) اور نہ حکمائے اسلام کے کارناموں کا انکار لازم آتا ہے جنھوں نے مذہب و فلسفہ کے درمیان اتصال و یگانگت پیدا کی، اور یہ اصحاب علم و نظر پر مخفی نہیں ہے کہ بہت سے وہ فلسفیانہ مسائل جن کو حکمائے اسلام نے پیش کیا، وہ اسلامی بلکہ اصل میں قرآنی ہیں،

مسلمانوں کے فلسفہ کے ماخذ میں ایک ماخذ صابئین کا مذہب بھی ہے، جس کا اثر معتزلہ اور کندی پر بھی ہے، مگر اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، صابئین کا تذکرہ قرآن پاک میں (سورۂ ۲-آیت ۶۲ و ۶۹

یہودیون اور عیسائیون کے ساتھ موجود ہے ، اس نے اُن کو اہلِ کتاب کا درجہ دیا ہے ، ان مین سے مشہور ہستیون کا ذکر ابن الندیم کی فہرست (ص ۳۲۶) مین عبد الملک کے تحت مین موجود ہے ، ابن ندیم نے امویون کے درمیانی عہد سے لے کر اپنے زمانہ یعنی چوتھی صدی ہجری کے نصف ثانی تک کے صائبین کا تذکرہ کیا ہے ، اُن کی مذہبی کتابون اور دوسرے مقدس رسائل کا عربی ترجمہ خلافت عباسیہ کے اوّلین عہد مین ہوا ، خود کندی ان کی مقدس کتاب فی التوحید کے پڑھنے کا ذکر کرتا ہے ، اس مقدس کتاب کو صابئین ، ہرمس حکیم کی طرف منسوب کرتے ہین ،

فلسفۂ یونان خصوصًا افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ سے کندی کہان تک باخبر تھا ؟ اس کا اندازہ ہم اس کے ان رسائل سے کر سکتے ہین ، جو ہمارے ہاتھون مین ہین ، ذیل مین ہم اس کے رسائل سے "فلسفہ" کی تعریفات اور اس کے بعض نظریون کا موازنہ ارسطو اور افلاطون کے نظریون سے کرین گے ،

کندی نے اپنے رسالۃ الحدود مین یونانیون کی اکثر تعریفاتِ فلسفہ کا ذکر کیا ہے ،

(۱) فلسفہ کی وہ تعریف جو لفظ فلسفہ کے اشتقاق کا پتہ دیتی ہے ، "عقل کی محبت" ہے ،

(۲) وہ تعریف جو فلسفہ کی غرض و غایت کو بیان کرتی ہے ، (الف) حسب طاقت بشری فضائلِ الٰہیہ کی نقل اتارنا ، تاکہ انسان کامل الفضیلت ہو جائے ، (ب) موت کا خیال رکھنا یعنی خواہشات کو مارنا جو حصولِ فضیلت کا ذریعہ ہے ،

(۳) وہ تعریف جو فلسفہ کے معنی اور علوم و فنون کے درمیان اس کے درجہ کو ظاہر کرتی ہے " فلسفہ فنون مین سے ایک فن ہے ، اور حکمتون مین سے ایک حکمت ہے ،

(۴) وہ تعریف جو فلسفہ سے انسانی تعلق کو ظاہر کرتی ہے ، "آدمی کا اپنے نفس کو پہچاننا"

(۵) وہ تعریف جو فلسفہ کے موضوع کی تشریح کرتی ہے ، "بقدر طاقتِ انسانی اشیاء ابدی کلی اور ان کی حقیقت اور ماہیت اور علت کو جاننا "

ان تعریفوں کے متعلق کندی یہ نہیں بتاتا کہ وہ متقدمین کی ہیں، مگر ان میں افلاطونی رنگ ظاہر ہے،

(۶) اپنی کتاب "جواہر خمسہ" میں جو صرف لاطینی میں موجود ہے، کندی فلسفہ کی اس تعریف کا ذکر

کرتا ہے جس کو ارسطو نے اپنی کتاب الجدل کی ابتدا میں لکھا ہے، وہ یہ ہے،

"ہر چیز کا علم جس میں غور وخوض کیا جائے، فلسفہ کے تحت میں داخل ہے، جو ہر شے کے

علم کا نام ہے"

(۷) کندی کے رسائل میں فلسفہ کی ایک دوسری تعریف کا ذکر بھی بار بار آتا ہے، مگر اس کا انتساب

حکمائے متقدمین کی طرف نہیں ہے یعنی

علم الاشیاء بحقائقھا، اشیاء کو اُن کی حقیقتوں کے ساتھ جاننا،

حقائق سے مراد حقائق کلیہ ہیں، کیونکہ کندی کے نزدیک فلسفہ جزئیات کی معرفت کو نہیں چاہتا

چونکہ جزئیات کی انتہا نہیں اس لئے وہ علم کے احاطہ میں داخل نہیں،

خلاصہ یہ کہ کندی فلاسفۂ متقدمین کی چھ تعریفوں کا ذکر کرتا ہے، اور اس میں تقریباً وہ سب تعریفیں

آجاتی ہیں، جن کو فلسفہ کی تعریف میں پیش کیا جاتا ہے، البتہ اس فہرست میں ارسطو کی تعریف "فلسفہ بالمعنی

الاخص" شامل نہیں، یعنی "موجود کو موجود ہونے کی حیثیت سے جاننے کو فلسفہ اولی کہتے ہیں"، رواقیین کی

مشہور تعریف بھی اس فہرست میں شامل نہیں ہے، یعنی "امور الٰہیہ وانسانیہ کی معرفت" فہرست مذکورۂ بالا

میں دوسری تعریف فارابی کے یہاں موجود ہے، (دیکھو رسالۃ ماینبغی ان یقدم قبل تعلم الفلسفۃ

قاہرہ ۱۳۲۵ھ صفحہ ۳)

تیسری تعریف بالمعنی ابن سینا کے "رسالہ دفع الغم من الموت" میں مذکور ہے، جس کو ابن سینا

نے افلاطون کی طرف منسوب کیا ہے،

اس کے علاوہ فلسفہ کی پہلی چار تعریفیں پانچویں اور چھٹی صدی مسیحی کے فلسفہ کی اکثر شرحوں

کے مقدمات میں ملتی ہیں، پانچویں تعریف سقراط وغیرہ کی مشہور تعریف ہے، جو ہم تک پہنچی ہے، دوسری اور تیسری تعریف افلاطون کی اور چھٹی تعریف افلاطون کی بیان کردہ تعریف کے بہت قریب ہے، دیکھو محاورات افلاطون (Protagoras: 335 d; Politeia: 480a, 484d; Phaidr: 278 d.)

چونکہ کندی کی رائے میں فلسفہ نفس کے طریقۂ نظم کے سوا اور کچھ نہیں، اور نفس کی دو قسمیں فکر و عقل اور حس ہیں، کیونکہ اشیاء یا تو مادی ہیں، جیسے جواہر جسمیہ، یا ملابس للمادہ ہیں، جیسے نفس اور دوسری روحانیات یا مطلق مادہ سے متعلق نہیں، جیسے ربوبیت اور الٰہیات، اس لئے اس نے فلسفہ یعنی ہر شے کے علم کو علم (فلسفۂ نظری) اور عمل (فلسفۂ عملی) دو قسموں میں تقسیم کیا ہے غرض ہمارا فیلسوف نفس کے جزء مفکر کو بالفاظِ دیگر علم نظری کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے (۱) علم امورِ الٰہیہ (۲) علم اشیاء مصنوعہ مخلوقہ اس تقسیم کی روح ارسطو کی تقسیم سے یقیناً جدا گانہ ہے، ارسطو کبھی تو مطالبِ فلسفیہ کی تقسیم خلقیہ طبیعیہ اور منطقیہ بتلاتا اور منطقیہ میں بعض مابعد الطبیعیاتی مسائل کو بھی شامل کر لیتا ہے، اور کبھی کہتا ہے کہ ہر تفکیر یا نظری ہے یا عملی یا فعلی (یعنی فنی) تیسری بار وہ کہتا ہے، کہ علوم نظریہ، طبیعیہ، ریاضیہ اور علم الربوبیت ہیں،

کندی کی اسلامی شان اس کے ان الفاظ سے ظاہر ہے،

انّ اللہ عزّ شانہ، قد قدّر الکائنات	اللہ جل شانہ نے کائناتِ مخلوقہ مصنوعہ
المخلوقۃ المصنوعۃ او رتبھا و	کو مقدر و مرتب کیا ہے، (۱) کثیف یا غلیظ
وضعھا بین الکثیف و الغلیظ	میں جس میں کوئی شے لطیف نہیں، اور
الذی لیس فیہ شیئ لطیف	(۲) لطیف میں جس میں کوئی شے کثیف
بتۃ و بین اللطیف الذی لیس	نہیں، اس لئے تاکہ یہ سب علم جواہر جسمیہ
فیہ شیئ کثیف بتۃ، وذالک	سے علم امور الٰہیہ تک راہ و دلیل بن جائیں
لکی تکون سبلاً و حجۃ من علم	جن کے بغیر لطیف کثیف سے ممیز

الجواهر الجسمية الى علم الامور .. .. نہین ہو سکتے ، .. .. ..

الالهية ، لانه لولاذالک لما .. ..

عرف اللطيف من (اعتبار) .. ..

الكثيف ، (رسائل مقدمہ ص۲۶) .. ..

جہان تک فلسفہ کی تعریف و معنی کا تعلق ہے کندی کا میلان بظاہر افلاطون کے نظریہ کی طرف ہے، لیکن فلسفہ کی تقسیم ثلاثہ کے لحاظ سے ارسطو کا ہمنوا معلوم ہوتا ہے، چونکہ اشیاء معلومہ کندی کے نزدیک تین طرح کی ہین، مادی، عقلی، اور موجود فی الخارج مع المادہ، اور عقلی موجود فی الخارج مجرد عن المادہ، اسلئے فلسفہ کی قسمین بھی اس نے تین کین، طبعیات، ریاضیات، اور الٰہیات، کندی کا فلسفہ کے مطالعہ کا طریقہ، خصوصاً تحصیل فلسفہ کے لئے اور اس کا ریاضیات پر زور دینا، دونون باتین واضح کرتی ہین، کہ وہ افلاطون سے بڑی حد تک متاثر ہے، چنانچہ جس طرح افلاطون نے اپنے مدرسہ کے دروازہ پر کندہ کرا دیا تھا کہ جو ریاضی دان نہین وہ ہرگز اسمین داخل نہو، اسی طرح کندی کا اعلان ہے کہ

"بغیر ریاضیات کے علم کے فلسفہ کا حصول ناممکن ہے"

ایک دوسرے رسالہ مین ارسطو کی کتابون کے متعلق کندی لکھتا ہے :-

"جس طرح فلسفہ کا طالب علم ان کتابون کو نظر انداز نہین کر سکتا ؛ اسی طرح اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے علم ریاضی سیکھے ؛

اسکے اپنے الفاظ یہ ہین :-

"فهذه اعداد ما قد منا ذكره من كتبه التي يحتاج الفيلسوف التام الى اقتناء علمها بعد علم الرياضيات اعني التي حددتها باسمائها فانه إن عدم علم الرياضيات التي هي علم العدد والهندسة والتنجيم

والتاليف ثمّ استعمل هذه دهره لم يستتم معرفة شيئ من هذه،

(اى كتب ارسطو التى تقدم احصاؤها) ولم يكن سعيه فيها وكسبيه

شيئاً الا الرواية إن كان حافظا، فأما علمها على كنهها وتحصيله

فليس بموجود ان عدم الرياضات، البتة، (رسائل ۳۶۹ و ۳۷۰)

کندی کا بیان ہے کہ فلسفہ کے مطالعہ کے لئے ریاضی کی ضرورت اس لئے ہے کہ جواہر محسوسہ کا علم اولین علم ہے، اور جواہر ثانیہ یعنی معقولات کا علم، جواہر اولی کے علم کے بغیر ممکن نہین، اور جواہر اولی کا علم مقدار وصفت کا علم ہے، جو ریاضی کا موضوع ہے (رسائل ص ۳۷۲)

کندی کے نزدیک حصول علم کے دو ذرائع ہین، (رسائل ص ۱۰۶) (۱) حس جو انسان وحیوان مین عام ہے، اور جو افراد محسوسہ کا ادراک کرتی ہے، وہ انسان سے قریب تر اور حقیقت سے دور ہے، (۲) عقل جو کلیات کا ادراک کرتی ہے، وہ حقائق اشیاء سے قریب تر اور انسان سے بعید ہے، قوت متخیلہ مین معقول کی کوئی صورت نہین، اور وہ عام حقیقت کے مشابہ ہے، اس لئے ہم ایک ہی چیز کو ایک ہی وقت مین، ایک ہی حیثیت سے مختلف رنگون مین بیان نہین کر سکتے،

چونکہ مادی حادث اشیاء کا تعلق حس وخیال سے ہے، اس لئے کندی علم ریاضی کے طریقہ استنباط کو طبیعی اشیاء کے لئے استعمال نہین کرتا، اس کے برخلاف مابعدالطبیعۃ کا موضوع بسیط، غیر متحرک اور غیر متعلق بہ مادہ ہے اور چونکہ اس کی تمثال یا صورت نفس مین ہے اس لئے اس کا طریقہ ضروری استنباطی اور نظری ہوگا، غرض موضوع کے لحاظ سے علم کے مختلف شعبون کے لئے مختلف طریقے استعمال ہوتے ہین، البتہ فلسفہ کا طریقہ بالمعنی الاخص ریاضی استنباطی ہے، (رسائل ص ۱۱۲)

حقیقت | کندی نے فلسفہ کی تعریف "علم الاشیاء بحقایقها" یعنی اشیاء کو اُن کی حقیقتون کے ذریعہ جاننے کا بار بار اعادہ کیا ہے، اس لئے وہ طالب علم کو اس سادے مواد کے استعمال کی دعوت دیتا ہے جس سے

اس کی مقصد بر آری ہو سکے، قریب قریب اسی مفہوم کی تعلیم حضور اکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، چنانچہ فرمان نبوی ہے،

الحکمۃ ضالۃ المومن، یاخذھا من حیث وجدھا، ولا یبالی من ای وعاء خرجت،	دانشمندی مومن کی گم شدہ شے ہے، وہ اس کو جہاں پاتا ہے، لے لیتا ہے، اور اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ کس برتن سے نکلی ہے،

خود کندی ایک جگہ لکھتا ہے :-

وینبغی لنا الا نستحی من الحق واقتناء الحق، من این اتی و ان اتی من الاجناس القاصیۃ عنا والامم المباینۃ لنا، فانہ لا شئی اولی بطالب الحق من الحق ولیس ینبغی بخس الحق و لا تصغیر بقائلہ ولا بالآتی بہ، ولا احد بخس بالحق، بل کل یشرفہ الحق، (رسائل ص ۱۰۳)	ہم لوگوں کو چاہیئے کہ حق کے پہچاننے اور اپنانے میں شرم نہ کریں، اگرچہ وہ دور از اور ہماری مخالف قوموں سے پہنچا ہو کیونکہ طالب حق کے لئے حق سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں، حق کی تحقیر اور اس کے کہنے والے کی بے وقعتی مناسب نہیں، حق نہ تو طالب کو بے وقعت کرتا ہے، نہ حق کے کہنے والے یا کرنے والے کو ذلیل بلکہ اس کو بزرگ و بلند تر بناتا ہے،

(باقی)

مخبر الواصلین

از

جناب پروفیسر ظفر الہدیٰ صاحب لکچرار شعبۂ اردو ڈھاکہ یونیورسٹی

سال رواں سال ہوے اورینٹل کالج میگزین کا ضمیمہ بابت ماہ اگست و نومبر ۱۹۵۳ء شائع ہوا تھا جس مین "شرح حال مخبر الواصلین"، کے عنوان سے مدیر رسالہ نے کتاب مخبر الواصلین کا تعارف کرایا ہے، جس کا خلاصہ بالفاظ مدیر موصوف درج ذیل ہے :-

"کتابخانہ دانش گاہ پنجاب مین اس نایاب منظوم کتاب (مخبر الواصلین) کا ایک نسخہ ہے جو ۱۲۴۵ھ مین نقل ہوا، اس نسخہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کا نام نظر الحق ہے اور اسی نام کو وہ بطور تخلص استعمال کرتا ہے، اس کے باپ کا نام میر سید احمد اکبرآبادی ہے، مختصر سا دیباچہ (جو اس نسخہ مین ناقص الابتداء ہے) نثر میں ہے..... اُس نے یہ کتاب شاہجہان کے عہد مین لکھی، مخبر الواصلین اس کا تاریخی نام ہے،..... آنحضرت صلعم کے ذکر خیر سے مضمون کتاب کا آغاز ہوتا ہے، اور آخری تاریخ وفات شیخ عیسیٰ ۱۰۳۱ھ ہے" (ص ۴۱، ۴۲)

مضمون ذیل مین اسی نایاب کتاب اور اس کے مصنف کے متعلق کچھ باتین کہنی ہین،

اس نایاب کتاب کا ایک قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ مین میری نظر سے گذرا[1]، جس کی کتابت ۱۱۵۱ھ مین ہوئی ہے، یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ سے تقریباً سو برس پُرانا ہے، دیباچہ نثر مین ہے، اور مکمل ہے، اس نسخہ مین آخری تاریخ وفات صاحب مخبر الواصلین کے پیر و مرشد شیخ الشیوخ

---

[1] ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۴۴۳، مخطوطہ نمبر ۷۵۹،

محمد صالح اکبر آبادی متوفی سنہ ۱۰۶۱ھ کی ہے :-

عقل تاریخ نقل آن مسعود زد رقم "اہل فیض صالح بود"
سنہ ۱۰۶۷ھ

یہ نایاب منظوم کتاب ہندوستان مین دو بار چھپ چکی ہے، پہلی دفعہ سنہ ۱۲۴۹ھ مین یعنی پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ کی کتابت کے صرف چار سال بعد کلکتہ مین چھپی، دوسری بار سنہ ۱۲۶۵ھ[۱] مین مصطفائی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی، تلاش و جستجو سے یقیناً اس کے مطبوعہ نسخے ہند و پاکستان کے مختلف کتب خانون مین ملجائین گے،

اس وقت مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ کا ایک نسخہ میرے پیش نظر ہے، حضرت مخدوم جہانیان جہانگرد کی اولاد مین ایک بزرگ حضرت سید حسین بخش گذرے ہین، جنھون نے بیربھوم (مغربی بنگال) مین سکونت اختیار کر لی تھی، اُن سے مجمع الواصلین کا ایک قلمی نسخہ نور علی خان نے عاریۃً لے کر مولوی بدیع الدین صاحب اور منشی طٰہٰ صاحب کے ذریعہ چند دیگر نسخون سے مقابلہ و تصحیح کے بعد سنہ ۱۲۴۹ھ مین شہر کلکتہ سے نہایت اہتمام سے شائع کیا،[۲]

کتاب کے شروع مین مختصر سا دیباچہ نثر میں ہے جس کا خاتمہ نظم پر ہوتا ہے، نظم مین مصنف نے تعریف و توصیف سخن کی ہے، اصل منظوم کتاب حمد سے شروع ہوتی ہے، نعت اور مدح خلفاے راشدین کے بعد" بادشاہ زمان شاہجہان بادشاہ غازی" کی شان مین مدحیہ قطعہ ہے جس مین مجمع الواصلین کی تاریخ تالیف اور مضمون تصنیف پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، منظوم تاریخون کا آغاز" تاریخ عمر و رحلت حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم" سے اور ان کا اختتام" تاریخ وفات میر حسینی" (سنہ ۱۱۰۵ھ) پر ہوتا ہے، کتاب کے آخر مین تاریخ رحلت مؤلف سنہ ۱۱۰۶ھ بھی درج ہے،

حالات مصنف محمد فاضل نام تھا، اور ابو عبد اللہ کنیت، مظہر الحق کے نام سے شہرت پائی، سید احمد

---

[۱] ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات کتب خانہ شاہان اودھ از اسپرنگر ص ۴۸۹ [۲] سر ورق مجمع الواصلین مطبوعہ شہر کلکتہ،

کے بیٹے اور سید حسن کے پوتے تھے ، چنانچہ وہ خود دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔[1]

"امابعد می گوید المفتقر الی اللہ الغنی الرشید الہادی ابو عبداللہ محمد فاضل ابن سید احمد بن سید حسن الحسینی الترمذی الاکبرآبادی المدعو بمظہر الحق ....."

محمد فاضل کے برادر زادے نے اُن کو یوں خطاب کیا ہے۔[2]

"مخدومی وعمی عارف کامل حضرت میر سید محمد فاضل قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز....."

محمد فاضل کا تخلص منظر تھا ، برادرزادہ فاضل کہتا ہے[3]

"بسکہ بودہ تخلصش منظر"

لیکن منظر الحق اور مظہر حق کو بھی بطور تخلص استعمال کیا ہے۔[4] محمد فاضل کے آبا و اجداد ترمذ کے رہنے والے تھے ، وہاں سے منتقل ہو کر ہندوستان آئے ، اُن کے جدّ امجد سید حسن اپنے زمانہ کے مشہور و معروف

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۳ ، مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی ورق ۲ ، الف ، ملاحظہ فرمایئے ، فہرست مخطوطاتِ فارسی ، ایشیاٹک سوسائٹی ص ۴۴۳ ، برٹش میوزیم جلد سوم ص ۱۰۳۵ ، کتب خانہ شاہان اودھ از اسپرنگر ص ۴۰۹ ، کتب خانہ ٹیپو سلطان ، مخطوطہ نمبر ۵ ، [2] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ، ص ۱۶۳ ، تاریخ وفات مصنف از برادر زادہ [3] ایضاً ص ۱۶۶ ، تاریخ وفات مصنف از برادر زادہ مصنف ، منظر کے دو تین شعر بھی ملاحظہ فرمایئے ،

سال نقلش خرد بہ منظر گفت — جائے جعفر مدام باد اخلد (ص ۱۵۶)

خرد گفت سال وصالش بہ منظر — بجنت بود مسکن میر عاقل (ص ۱۴۰)

گفت سال وصال او منظر — بو العلاء در جنت اکبر (رر ۱۰۰)

[4] سال نقلش مظہر الحق زد رقم — شد ز آفاق آہ ثانی بایزید (۱۵۷)

رقم زد سال نقلش ، مظہر حق — زدینا صاحب عصمت شدہ شاہ (۱۴۰)

عارف تھے[1] والد شیخ سید احمد سیالکوٹ مین پیدا ہوئے لیکن سکونت اکبرآباد (آگرہ) مین اختیار کی، اور ہین ۱۰۶۲ھ مین سپرد خاک ہوئے[2]، محمد فاضل کی ولادت اکبرآباد مین ہوئی، اپنے پدر بزرگوار سید احمد کی ولادت کے سلسلہ مین رقمطراز ہین[3]:

مولد او سیالکوٹ بدان	اکبرآباد گشت مسکنِ آن
لیک جدِ کلانِ آن شہ دین	ترمذی است با فر و تمکین
مولدِ من کہ زو دلم شاد است	شہر پر فیض اکبرآباد است
مسکنم نیز اندران شہر است	ہینم آخر چہ گردش دہر است
یا دران شہر مدفنم سازد	یا دگر خطہ مسکنم سازد

سید احمد کی والدہ محترمہ کے اجداد سادات مین سے تھے، عرب سے ہجرت کرکے ایران اور توران ہوتے ہوئے ہندوستان آئے، اور یہین مستقل سکونت اختیار کرلی، صاحب علم و فضل تھے، اور اپنے دیار کی بزرگ و برگزیدہ ہستیون مین شمار کئے جاتے تھے،

از عرب[4] آمدند در ایران	پس ز ایران بخطۂ توران
باز در ملکِ ہند کردہ قرار	ہر یکے زان بزرگہاے دیار

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۲،

پدرش (پدر سید احمد) عارفِ زمن بود	نام نامی او حسن بودہ

[2] ایضاً ص ۱۰۱

شد رقم سال نقل آن سید	آب ورد نق بخلد از احمد ۱۰۶۲ھ
مرقد او باکبرآباد است	درجہان روحش از خدا شاد است

[3] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ، ص ۱۰۲ - ۱۰۳،

[4] " " " " ص ۱۰۵

سید احمد والد کی طرف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے انتیسوین[29]
محمد فاضل تیسوین اور عبد اللہ بن محمد فاضل اکتیسوین پشت مین تھے، محمد فاضل تحریر فرماتے ہین،

من[1] و فرزند من بآن کرسی | سی و یک می شوم اگر پرسی

"سید احمد کی ذات مجمع کمالات، مصدر خارق و کرامات، آفتاب سپہر معرفت، قبلۂ اولیا، کعبۂ اہل صدق، سرو بستان احمد مختار، اور گل گلزار، حیدر کرار تھی، ان کا سلسلۂ نسب دونون جانب سے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچتا ہے،

ذات[2] او بود سید الطرفین | نور سعدین و لؤلؤ بحرین

این[3] چنین پاک سید از دو طرف | مثل او کے بود دگر بشرف

ذاتش[4] از نسل سید الشہداست | قرۃ العین حیدر و زہراست

سید احمد کے دو لڑکے تھے، محمد فاضل اور محمد عاقل چھوٹے محمد عاقل[5] نہایت خوش اخلاق و خوش اطوار تھے، محمد فاضل کو چھوٹے بھائی سے انتہائی محبت تھی، محمد عاقل نے ۱۰۹۲ھ مین اس دار فانی کو خیرباد کہا، چھوٹے[6] بھائی کی موت کے صدمۂ جانکاہ سے اشکون کا طوفان امنڈ پڑا، زندگی سوگوار ہو گئی اور یہ غم مرتے دم تک ساتھ رہا، ان تاثرات کو محمد فاضل کی زبانی سنیے[7]،

سرشکم چو طوفان بلاخیز شد | دلم از غمش نعرہ انگیز شد

مگر از غم ماتمش سینہ چاک | من از اشک در آب، او زیر خاک

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکیہ ص ۱۰۴ [2] ایضاً ص ۱۰۲ [3] ایضاً ص ۱۰۵ [4] ایضاً ص ۱۰۱ [5] ر ص ۱۰۶

دادم از پشت آن ستودہ سیر | کوچک از خود برادر دیگر

[6] ایضاً دلا سال نقلش بلطف کریم | بگو جائے عاقل بہشت نعیم
۱۰۹۲ھ

[7] ایضاً ص ۱۵۴،

مرا از غم آن برادر ہبیں — شب و روز با درد و غم ہمنشیں

بحرمان آن سید نیک نام — بویلا د آہ و فغانم مدام

محمد عاقل نے دو لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں، لڑکے سید محمد اور سید میر تھے، لڑکیاں نیک سیرت، پاک طینت، اور بقول محمد فاضل فاطمہ خو تھیں[۵۱] لڑکوں میں سے ایک نے محمد فاضل کی تاریخ وفات کہی، جو پانچ صفحات پر مشتمل اور مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ کے آخر میں منسلک ہے،

محمد فاضلؒ کریم النفس، شریف الحسب، واقف اسرار حقیقت، غواص بحار معانی و بیان اور مرکز دائرۂ دانش و آگاہی" تھے، اُن کی ذات بابرکات یگانہ روزگار، علم و فضل میں شہرۂ آفاق، اور علم صوری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ تھی، طریقت میں حضرت ارشاد پناہی شیخ الشیوخ محمد صالح سے شرف بیعت حاصل تھا، محمد فاضل اپنے مرشد کے متعلق رقمطراز ہیں[۵۲]

شیخ ما عارف است ربانی — از مریدان شاہ جیلانی

اول و آخرش ہمہ پر نور — ظاہر و باطنش ہمہ معمور

شیخ صالح کہ ماہ عرفان است — مطلع نور چرخ فیضان است

.. ..

---

۵۱ مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۶،

نام او عاقل است زو دو پسر — ہست سنجیدہ و ستودہ سیر

آن یکے را بدان ازین ہر دو — ہست سید محمد اے خوشخو

آن دگر راست نام سید میر — یا د حق ہر دو را ظہیر و نصیر

باز او را سے دو دختر اند نکو — ہر یکے در زمانہ فاطمہ خو

۵۲ ایضاً صفحات ۱۱۱ تا ۱۲۹، شیخ محمد صالح کا مختصر سا تذکرہ خزینۃ الاصفیاء میں ہے، ملاحظہ ہو جلد اول ص ۱۶۱، ۱۶۲ (مطبوعہ نولکشور پریس)

شیخ ما پیر ما مربی ما　　　ہست از جان مطیع امر خدا

....　　　............

او مرا بود مرشد و استاد　　　او مرا علم داد و ہم ارشاد

....　　　............

عقل تاریخ نقل آن مسعود　　　زد رقم اہلِ فیض صائح بود

سنہ ۱۰۶۷ھ

....　　　............

مرقدِ آن کہ جاے ارشاد است　　　خاص در شہر اکبرآباد است

محمد فاضل نے ایک معزز خاتون سے شادی کی تھی، جن کے والد کا نام میر عبد العلیم تھا، اور دادا میر مہدی تھے، میر مہدی سید علی ہمدانی کی نسل سے تھے، محمد فاضل اپنی اولاد کے ذکر مین ضمناً تحریر فرماتے ہین[1]

مادرِ شان زخاندان رسول　　　ہست از نسلِ مرتضیٰ و بتول

پدر آن صفیۂ دوران　　　بود خانی بجاہ و دولتِ آن

میر عبد العلیم نامش بود　　　دین و دنیا ہر دو کامش بود

پدرش بود میر مہدی نام　　　واقفِ سرِ خالق الانام

میر مہدی بلطفِ حق میدان　　　بود از نسل سید ہمدان

آنکہ اورا علی ہمدانی　　　ہمہ دانند با ہمہ دانی

قدرت نے محمد فاضل کو دو اولادین عطا فرمائین، جن مین ایک لڑکا عبد اللہ تھا، محمد فاضل کو اپنی اس سعادتمند اولاد پر بڑا ناز تھا، اسی لڑکے کی نسبت سے اُن کی کنیت ابو عبد اللہ تھی،

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۶،

من[1] ہم از لطف خالق داور — دخترے دارم اے ستودہ شعار

باز دارم ز فضل آن داور — یک پسر بہتر از ھزار پسر

نام[2] فرزند ماست عبد اللہ — خلد اللہ عمرہ و بقاہ

محمد فاضل نے طویل عمر پائی،[3] ۱۱۰۶ھ میں رحلت فرمائی، رشتہ دارون اور ارادتمندون نے سوگ منایا، اور تاریخیں کہیں جن میں بڑے نازک و لطیف نکتے بیان کیے گئے، محمد فاضل کے بھتیجے کا بیان ہے[4]؛

"دیگر اعزہ کہ بجناب آن فضیلت مآب سر رشتۂ اخلاص و سلسلۂ اختصاص میداشتند درباب تاریخ وصال نکتہائے لطیف و دقیقہائے شریف بیان فرمودہ اند، اگر ہمہ را جمع کردہ شود برائے خود کتابے علیحدہ گردد"

محمد فاضل کے برادر زادے نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی[5]:

دل چو آفاق را پر از غم دید — از خرد سال نقل او پرسید

از سر احتشام گفت بدل — "بجنان جائے سید فاضل" ۱۱۰۶ھ

مخبر الواصلین کا سبب تصنیف

کسی کتاب میں کتابت کی لغزشون کا پایا جانا چندان معیوب نہیں، اس سے کسی کتاب کا سراسر پاک ہونا تقریبًا محال ہے، البتہ باعث عبرت وہ مقامات ہیں، جہان ارقام ہندسہ، اعداد تاریخی اور شمار فارسی کی کتابت مین کاتبون کی ذراسی غفلت عجیب الجھنین پیدا کر دیتی ہے، تاریخین اور تذکرے اس نوع کی پیچیدگیون سے پر ہین، جس کی وجہ سے اکثر مشہور و معروف اشخاص کے سن ولادت

---

[1] مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۶، [2] ایضًا ص ۱۰۴، [3] مصنف کا بیان ہے کہ تاریخ آغاز نسخہ منظومہ (۱۱۰۶ھ) سے پینتیس سال پہلے اُن کا سن اٹھارہ سے کچھ متجاوز تھا، تاریخ پیدائش ۱۰۷۰ھ کے لگ بھگ قرار پاتی ہے، مصنف نے اس حساب سے سو برس کی زندگی پائی،

[4] مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۰۷، [5] ایضًا ص ۱۰۶،

دوفات مین لاینحل اختلافات پیدا ہوگئے ہین، مخبر الواصلین کے مصنف کا بیان ہے کہ انھون نے بعض احباب کے اصرار پر اس جانب توجہ کی، اور حضرت سید الانبیاؐ، خلفاے راشدینؓ، ائمہ مطہرینؑ، اولیاے محققین اور علماے شرع متین کی تاریخ حیات و ممات جمع کین، وہ عدیم الفرصت تھے، مگر انھون نے اس کار مستحسن کے لئے وقت نکالا، اور مختلف نسخون کی چھان بین کرکے جس مین ان کو سخت دماغ سوزی و دیدہ ریزی کرنا پڑی، صحیح تاریخین معلوم کرکے درج کتاب کین، اس وقت ان کا سن اٹھارہ سال سے کچھ زیادہ تھا، مگر درمیان مین دیگر مشاغل نکل آئے جس سے مسودہ جون کا تون پڑا رہا، پینتیس ۳۵ سال کے بعد اپنے لڑکے عبد اللہ کی فرمایش پر اس کی جانب دوبارہ توجہ کی، اور مزید اضافہ کے بعد ایک ہفتہ مین اس کتاب کو مرتب[1] اور دیباچہ منثور سے مزین کیا، اس لئے محمد فاضل کی یہ خدمت یقیناً لائق تحسین ہے، منظوم تاریخین ہمیشہ کے لئے "کاتبان نسیان شعار و نویسندگان فراموش وتنار" کی دستبرد سے محفوظ ہوگئین،

مضمون کتاب | مخبر الواصلین کے موضوع کے متعلق مصنف کا بیان یہ ہے[2]،

نسخہ ام نسخہ بہشت بود، — نظم او عنبرین سرشت بود

مخبر واصلان حق است این — مشعر مائلان حق است این

اندرین نسخہ انچہ پنہان است — ذکر خیر خدا پرستان ست

سال مولود و نقل دین داران — اندرین نسخہ گفتم اے یاران

ننمودم دگر طویل کلام — والختم بالسلام والاکرام

مخبر الواصلین مین کل دوسو بائیس بزرگون کا ذکر ہے جن مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفاے راشدین، ائمۃ المطہرین اور زمانۂ ماسبق کے اولیاے عظام اور فصحاے ذوی الاحترام کے علاوہ چندان اعزہ کے حالات بھی قلمبند کئے گئے ہین جن کے اوصاف حمیدہ وکمالات پسندیدہ کی تعریفین مصنف نے اپنے

[1] ملاحظہ ہو دیباچہ مخبر الواصلین [2] مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷-۱۸،

والدِ محترم سید احمد اور نیز پیر و مرشد شیخ محمد صالح اکبر آبادی سے سنی تھیں، مصنف کا بیان ہے کہ سعادتِ دارین کی غرض سے انھوں نے اُن چند مشائخ کرام و اولیاے عظام کو بھی جگہ دی ہے جن سے اُن کو ارتباطِ معنوی حاصل تھا[51]، ہمارے پیش نظر جو مطبوعہ نسخہ ہے، وہ بظاہر مکمل معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں تاریخ وفات شیخ عیسیٰ نہیں پائی جاتی جس پر دانشگاہ پنجاب کے مخطوطہ کا خاتمہ ہوتا ہے[52]، خزینۃ الاصفیاء کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے، اُس کے صفحہ نمبر ۱۶۰ کے حاشیے پر کوئی شعر درج نہیں ہے جس کا حوالہ[53] مدیر ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین نے دیا ہے، نہیں کہا جا سکتا، کہ اشعار مذکور اس مطبوعہ نسخہ میں ہیں یا نہیں، مصنف نے کتاب میں صرف تاریخ ولادت و رحلت پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ زیر بحث شخصیتوں کے فضائل و کرامات پر بھی ہلکی سی روشنی ڈالی ہے، جن کی تاریخ ولادت نہیں معلوم ہو سکی ہے، اُن کی صرف تاریخ وفات ہی دیدی ہے، کہیں کہیں دو دو تین تین تاریخیں ایک ہی بزرگ کی کہی ہیں، حالات میں عموماً اختصار مدِ نظر رہا ہے، مگر اپنے والد ماجد سید احمد[55] اور مرشد شیخ محمد صالح[56] کے حالات میں طوالت سے کام لیا ہے[57]،

زمانِ تالیف مدیر ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین کا خیال ہے کہ مخبر الواصلین تاریخی نام ہے، جس کی تصدیق محمد فاضل کے مندرجۂ ذیل اشعار سے ہوتی ہے[58]،

---

[51] مخبر الواصلین، مطبوعہ کلکتہ ص ۵، مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی، ورق ۴، [52] ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطہ میں شیخ عیسیٰ کی تاریخ وفات درج ہے، [53] ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین اکتوبر و نومبر ۱۹۵۳ء ص ۴۲، مدیر موصوف لکھتے ہیں، "خزینۃ الاصفیاء میں اکثر حاشیے پر اور کہیں کہیں متن میں مخبر الواصلین کے اقتباسات دیئے گئے ہیں، خزینۃ ص ۱۶۰ کے حاشیہ پر جو اشعار درج ہیں وہ ہمارے نسخے میں نہیں ہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ ہمارا نسخہ ناقص الآخر ہو،

[54] مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ صفحات ۱۰۱ لغایت ۱۰۵،

[55] ایضاً صفحات ۱۱۱ تا ۱۲۹، [56] ایضاً ص ۱۷،

مجمع الواصلین نہادم نام	نام این نسخہ نکو فرجام
چون تو تاریخ او زمن خواہی	نام او را شمر گر آگاہی

نور علی خان، مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ کے سرورق پر ان الفاظ میں اس کی تائید فرماتے ہیں،

"از نام کتاب تاریخ آن بر می آید"

مجمع الواصلین یقیناً تاریخی نام ہے لیکن تکمیل تالیف کا نہیں، بلکہ آغاز تالیف کا، دیباچے میں محمد فاضل رقمطراز ہیں،[1]

"تاریخ آغاز این نسخہ منظومہ بنا میکہ مسطور و مذکور است مرقوم گردیدہ"

خود مصنف تاریخ تکمیل کے بارے میں صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا ہے کہ:

"تاریخ انجامش چون انجام قیامت بعد انصرام نرسیدہ"[2]

دیباچہ میں دوسری جگہ لکھتا ہے کہ احباب و اقربا کے ایماسے اس نے تاریخیں جمع کیں، اُس وقت اس کا سن ۱۸ سال سے کچھ تجاوز کر چکا تھا، اور علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر تحصیل علوم معرفت الٰہی میں مشغول ہو گیا تھا، اس لئے تالیف کی تکمیل نہ ہو سکی، اور پھر پینتیس ۳۵ سال کے بعد اس نے اپنے لڑکے عبد اللہ کی فرمایش پر پیراہن نظم سے آراستہ کیا، چنانچہ لکھتا ہے،[3]

"بدین سبب این مسودہ بر صفحہ روزگار خال چہرۂ اغراض نشدہ، بعد از سی و پنج سال باز بخواہش فرزند ارجمند بعمر و دولت کو نین بہرہ مند سید عبد اللہ سلمہ ...... در یک ہفتہ این تواریخ را بسلک نظم در آورد، (ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ میں برکت نظم ترتیب دادہ شدہ" ہے)

---

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱، مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی ورق ۴، الف: مجمع الواصلین = ۱۰۶۰ھ، [2] مجمع الواصلین

[3] ایضاً مطبوعہ ص ۵ - ۶ مخطوطہ ورق ۳ ب

اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "تاریخ آغاز این نسخہ منظومہ" سے کیا مراد ہے ۱۰۶۰ھ مراد ہو جب احباب کی درخواست پر پہلی مرتبہ تاریخین جمع کین، یا اس کے پینتیس سال کے بعد جب ۱۰۹۵ھ مین عبد اللہ کی خواہش کے مطابق اس کو نظم کیا گیا، شہادتین ان دونون باتون کے خلاف ہین، محمد فاضل نے شہنشاہ شاہجہان کی مدح مین جو قطعہ لکھا ہے، اُس کے مندرج ذیل اشعار سے ظاہر ہے، کہ مجمع الواصلین اس کے عہد سلطنت (۱۰۳۷ھ - ۱۰۶۸ھ) مین لکھی گئی،[1]

در زمانِ شہِ ستودہ سیر	عادل و باذل و ہنر پرور
زبدۂ خاندانِ تیمور است	خلق زو شاد و ملک معمور است
ثانی صاحبِ قران است اُو	ہرچہ گویم بوصف آنست او
رونق افزاے ملک ہندستان	شد وجود شریفِ شاہجہان
مختصر نسخہ رنگاشتہ ام	گل و ریحانِ تازہ کاشتہ ام

اس کے علاوہ اشعار ذیل سے واضح ہے کہ جب مجمع الواصلین نظم کی گئی، اس وقت محمد فاضل کے چھوٹے بھائی محمد عاقل متوفی ۱۰۹۲ھ بقید حیات تھے،[2]

دارم از پشت آن ستودہ سیر	کوچک از خود برادر (دیگر)
نام او عاقل است زود و پیر	ہست سجیدہ و ستودہ سیر

اس لئے مصنف نے نہ تو ۱۰۶۰ھ مین تاریخین جمع کین، اور نہ اس کے ۳۵ سال بعد ۱۰۹۵ھ مین اسکو نظم کیا، بلکہ تاریخین ۱۰۲۵ھ مین جمع کین اور ۱۰۶۰ھ مین زیور نظم سے آراستہ کیا، محمد فاضل کا بیان ہے کہ اُس نے صرف ایک ہفتہ مین کتاب نظم کی، لیکن یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس وقت اُسے دیباچہ سے کیون نہین فرصت ملی، کیونکہ دیباچہ ۱۰۶۰ھ کی تصنیف نہین معلوم ہوتا، دیباچہ کے منظوم حصہ مین مصنف نے اپنے مرشد

[1] مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۷، [2] ایضاً ص ۱۰۶،

شیخ محمد صالح متوفی ۱۰۶۷ھ کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے وہ اس دار فانی کو الوداع کہہ چکے تھے[۵۱]

منکہ سخن گفتہ ام از صد طرب	نیست در صورتِ لہو و لعب
صورتِ حال آمدہ در قالِ من	نیست برون قالِ من از حالِ من
این ہمہ حالت کہ مرا رو نمود	از مدد و موہبت پیر بود
پیر کہ آن ہادی راہِ خداست	در ہمہ شیخان جہان مقتداست
شیخ فلک مرتبہ صالح بنام	ہست مرا مرشدِ عالی مقام
چشم خدا بین شدہ پر نور ازو	اہلِ حقائق شدہ مسرور ازو
سینۂ او مخزن اسرار بود	جبہ او مطلعِ انوار بود
سخت دلان نرم ازو می شدند	سرد دمان گرم ازو می شدند

اس لئے دیباچہ کی تاریخ تصنیف کی تعیین مشکل ہے، صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ شیخ محمد صالح کے سال وفات ۱۰۶۷ھ کے بعد لکھا گیا،

مؤلف کے بیان کے مطابق جب تک اس کا سلسلۂ نفس قائم رہا، سلسلۂ تالیف جاری رکھا، اور منظوم تاریخین کہتا اور داخل کتاب کرتا رہا، اسی لئے وہ تکمیل تالیف کے متعلق اشارۃً لکھتا ہے:

"تاریخ انجامش چون انجام قیامت بحدِ انصرام نرسیدہ"

مدیر ضمیمہ اورنٹیل کالج کا بیان ہے کہ دانشگاہ پنجاب کے نسخہ مین آخری تاریخ وفات شیخ عیسیٰ ۱۱۳۱ھ کی ہے[۵۲] ایشیاٹک سوسائٹی کا مخطوطہ پیر و مرشد مؤلف شیخ محمد صالح کی تاریخ وصال

---

۵۱ مجمع الواصلین مطبوعہ کلکتہ، ص ۷-۸، ۵۲ ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۳ء ص ۴۲،

(سنہ ۱۰۶۷ھ) پر ختم ہوتا ہے،[1] مخبر الواصلین مطبوعہ لکھنو کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہین گذرا، مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ مین آخری تاریخ رحلت میر حسینی متوفی سنہ ۱۱۰۵ھ کی ہے،[2] یہی زمانہ مخبر الواصلین کی تکمیل کا ہے، مخبر الواصلین کے مصنف نے سنہ ۱۱۰۶ھ مین وفات پائی،[3] اور اُن کا شمار بھی واصلین مین ہونے لگا، اُن کے وصال کی تاریخین اورون نے کہین،

اس لئے مخبر الواصلین کا زمانہ تصنیف عہد حکومت شاہجہان نہین، بلکہ شاہجہان (سنہ ۱۰۳۷ھ تا سنہ ۱۰۶۸ھ) اور اورنگ زیب عالمگیر (سنہ ۱۰۶۸ھ تا سنہ ۱۱۱۸ھ) دونون کا عہد حکومت ہی، چنانچہ محمد فاضل مصنف مخبر الواصلین اورنگزیب کی درازی عمر کے لئے یون دعا گو ہین،[4]

نظم این سلسلہ[5] بلطف قدیر — شد در ایام شاہ عالمگیر

یارب این بادشاہ عادل را — متقی و شجاع و باذل را

تا کہ ماہ و خوراست بر گردون — تا کہ آب و دراست در سیحون

از حسودی دشمن بدکیش — تو نگہدار در حمایت خویش

---

[1] مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی، ورق ۵۵، الف لغایتہ ۵۷، الف. [2] ایضاً ص ۱۶۲ [3] مخبر الواصلین مطبوعہ کلکتہ ص ۱۶۶ [4] ایضاً ص ۱۳۸ [5] سلسلۂ قادریہ،

پورب کی چند برگزیدہ ہستیان

از

مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی

پورب کے خطہ مین جو اولیاے کرام آسودۂ خاک ہین اوراُن کو شہرت دوام و قبول عام حاصل ہے، ان مین ایک بہت برگزیدہ ہستی حضرت شاہ طیب بنارسی قدس سرہ کی ہے،

ایک عرصہ سے مجھے حضرت موصوف کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کا شوق تھا، اور اس شوق مین مجھے مناقب العارفین کی تلاش وجستجو تھی جس کو اُن کے حالات مین اُن کے صاحبزادہ شاہ محمد یسٰین قدس سرہ نے تصنیف فرمایا ہے، خوش قسمتی سے بنارس مین اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ دستیاب ہوا، اور مین اس کے مطالعہ سے بہرہ ور ہوا،

مجھے اس کتاب مین اچھا خاصہ تاریخی وعلمی مواد نظر آیا، اس لئے مین نے اردو مین اس کا خلاصہ قلمبند کر لیا اور آج اسی خلاصہ کو ناظرین معارف کے سامنے پیش کر رہا ہون،

مخدوم شاہ طیّب بنارسی

(المتوفی ۱۰۴۲ھ)

آپ نسباً فاروقی ہین، آپ کے اجداد مین شیخ خلیل فاروقی پہلے پہل اس نواح مین وارد ہوئے اور مچھلی شہر کے متعلقات مین جسری ایک گاؤن ہے، وہان اقامت اختیار کی، اور وہین فوت ہوئے، ان کا مزار جسری مین ہے، اُن کے صاحبزادے بندگی شیخ قطب کی شادی بھتری (ضلع غازی پور) کے قریب

موضع خانقاہ مین شیخ نور کے گھرانے مین ہوئی تھی، اس لئے وہ خانقاہ مین رہتے تھے، اور وہین اُن کے صاحبزادہ بندگی میان فرید پیدا ہوئے، شیخ قطب کی وفات کے بعد بندگی میان فرید اپنے بھائی میان دادا کے ساتھ تحصیل علم کے ارادہ سے بنارس آئے اور تحصیل علم کے بعد دونون بھائی اپنے پیر کے حکم سے بنارس ہی مین متاہل ہو کر مقیم ہو گئے، مخدوم شاہ طیّب میان داؤد کے پڑپوتے ہین شیخ خلیل تک آپ کا سلسلۂ نسب یون ہے، شاہ طیب بن شیخ معین الدین بن شاہ حسن بن داؤد بن قطب بن خلیل،

تعلیم و تربیت مخدوم شاہ طیب کا سن ولادت معلوم نہین ہوسکا، مخدوم کی عمر دس سال کی تھی کہ اُن کے والد شیخ معین الدین کا انتقال ہوگیا، والدہ بقید حیات تھین، مگر پرورش اُن کی پھوپھی نے کی، اس وقت مخدوم قرآن پاک پڑھتے تھے، قرآن پاک اور فارسی پڑھنے کے بعد ایک مدت تک استاذ الفضلاء مخدوم العلماء میان شیخ نظام بنارسی کی خدمت مین رہے، اور اُن کے مدرسہ مین صرف و نحو کی کتابین پڑھین، اس کے بعد جونپور چلے گئے، اور وہان بعض فضلاء کی خدمت مین نحو و معانی پڑھنے کے بعد افضل العصر اعلم الدہر میان شیخ نور اللہ انصاری[1] ہروی کے حلقۂ درس مین شامل ہوئے، اور اُن سے شرح وقایہ وحسامی کی تحصیل کی،

اسی اثنا میں گھر والون نے شادی کے لئے مجبور کیا، اس کی وجہ سے دو تین سال تک تحصیل علم

---

[1] مناقب العارفین ص ۸ و ۹ و ۴، [1] نور اللہ انصاری، شیخ عبد الجلیل انصاری کے بھتیجے اور شاگرد رشید تھے، صاحب تحفۃ الابرار نے اُن کو سرآمد ملایان جونپور قرار دیا ہے، بڑے عالم و فاضل اور درس و تدریس مین شہرۂ آفاق تھے، اورنگ زیب کے عہد مین کسی صوبہ کے صدر مقرر ہوئے، اور ۱۰۱۲ھ مین وفات پائی، مزار سدھور مین ہے، (تحفۃ الابرار قلمی) تجلّی نور مین اُن کو شیخ عبد الجلیل کا بھائی قرار دیا ہے، نیز اُن کی قبر جونپور مین بتائی ہے، یہ دونون باتین صحیح نہین ہین، تحفۃ الابرار کے مصنف نے ملا نور اللہ کا زمانہ پایا ہے، اور وہ اُن کے استاد بھائی ہین، اس لئے انھی کا بیان قابل اعتماد ہی، منہ،

کی طرف متوجہ نہو سکے، دو تین سال کے بعد دوبارہ جونپور گئے، اور فقہ واصول کی کتابین پڑھنا شروع کین، ابھی فقہ واصول کی تحصیل سے آگے نہ بڑھے تھے، کہ کسی وجہ سے یہ سلسلہ پھر بند ہوگیا، اور علم ظاہری کی تحصیل اسی منزل پر آکر رُک گئی،

بیعت | سلسلۂ تحصیل بند ہو جانے کے بعد ایک بار مخدوم شاہ طیب کو سال بھر تک جونپور مین کسی ضرورت سے رہنا پڑا، اس درمیان مین مولانا خواجہ کلان جونپور مین رونق افروز ہوئے اُن کے ہمراہ شیخ تاج الدین جھونسوی بھی تھے، جن سے مخدوم صاحب کے دوستانہ تعلقات طالب علمی کے زمانہ سے تھے، اس دفعہ جب اُن سے مخدوم صاحب کی ملاقات ہوئی، تو پرسش احوال کے بعد مخدوم صاحب نے کہا کہ میری دلی خواہش یہ ہی کہ حضرت شاہ حسن بنارسی (اپنے دادا) کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پہ بیعت کرون، شیخ تاج الدین یہ سُن کر بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ مولانا خواجہ کلان حضرت شاہ حسن ہی کے خلیفۂ برحق ہین، اور خوش قسمتی سے اس وقت یہین رونق افروز ہین، مخدوم خوشی سے اچھل پڑے، اور اسی وقت مولانا خواجہ کلان کی خدمت مین حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے، مولانا خواجہ کلان کی اقامت جھونسی ضلع الٰہ آباد کے قریب تنخیورہ مین تھی، بیعت کے بعد مخدوم صاحب برابر تنخیورہ مین حاضر ہوا کرتے تھے، دوسری یا تیسری حاضری مین مولینا نے اُن کو اجازت نامہ اور پیراہن عطا فرما کر اُن کی تکمیل کی خدمت شیخ تاج الدین کو سپرد فرمائی، اس کے بعد مخدوم صاحب شیخ تاج الدین کی خدمت مین رہنے لگے ایک مدت دراز کے بعد شیخ نے اُن کو تعلیم و تلقین کی اجازت دیکر بنارس روانہ کیا، مخدوم صاحب وہان سے منڈواڈیہہ آئے لیکن ازدحام کی وجہ سے اطمینان نصیب نہوا، اس لئے قلعۂ بنارس کے قریب گنگا و برنا کے درمیان (جہان مخدوم شاہ طیب کا آباد کیا ہوا گاؤن شریعت آباد آج بھی موجود ہے) اپنا حجرہ بنایا، اور دو تین دوستون کے ساتھ وہین رہنے لگے۔ تھوڑے ہی دنون مین وہ شہرت نصیب ہوئی کہ وہان طلبہ اور مریدین و مسترشدین کا ہجوم ہونے لگا، اکثر مریدون نے وہین اپنے مکان بنوائے اور دست کار مسلمان

آباد ہوئے، پھر بعض معتقدون نے خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی، شیخ تاج الدین کی وفات کے بعد جس وقت مخدوم شاہ طیب نے پیران سلسلہ کے مزارات پر حاضری کے ارادہ سے دہلی کا سفر کیا، تو دہلی مین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمت مین بھی حاضر ہوئے، اور اُن سے سلسلہ قادریہ کی اجازت حاصل کی، اور اُن کے ہاتھ سے خرقہ قادریہ پہنا،

معمولات شہر بنارس آباد ہیں قیام کے بعد مخدوم شاہ طیب مریدون کی تربیت فقیرون کی خدمت اور عبادت مین شب و روز ایسے مصروف تھے کہ کسی وقت فارغ نظر نہین آتے تھے، اُن کا معمول تھا کہ اکثر نماز عشا سے پہلے کھانا کھا لیتے تھے، عشا کے بعد بکثرت نوافل پڑھتے، پھر وظائف سے فارغ ہو کر بستر پر جاتے اور کم و بیش ایک پہر آرام کرکے اٹھ جاتے، اور وضو کرکے نماز تہجد پڑھتے، اس کے بعد اکثر جہر کے ساتھ صبح تک ذکر کرتے رہتے تھے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تہجد کے بعد صبح تک اپنے صحن مین ٹہلتے، اور یہ اشعار پڑھتے اور روتے،

گر صد ہزار قرن ہمہ خلق کائنات ۔۔۔ فکرت کنند در صفت و ذات لے خدا

آخر بعجز معترف آیند کای الٰہ ۔۔۔ دانستہ شد کہ ہیچ ندانستہ ایم ما

اور کبھی تہجد کے بعد تلاوت مین مشغول ہو جاتے، نمازِ فجر کے بعد اکثر اسی جگہ بیٹھے رہتے، اور کبھی حجرہ مین جا کر اوراد و تلاوت و مراقبہ مین مشغول ہو جاتے، نماز چاشت کے بعد اکثر تلاوت کرتے رہتے، نصف النہار کے قریب قیلولہ کرتے، (تھوڑی دیر لیٹ جاتے) ظہر کے بعد پھر ایک پارہ قرآن پاک پڑھتے، اُس کے بعد سبق پڑھاتے، اور کبھی کبھی کچھ لکھتے، عصر کے بعد مغرب تک مصلے پر بیٹھے ہوئے مشغول رہتے، مغرب کے بعد بھی ذکر و مراقبہ و نماز مین مصروف رہتے، ان اوقات مین کوئی آجاتا تو اس سے بات چیت بھی کر لیتے، اور آنے والے کی بہت دلجوئی فرماتے،

حضرت مخدوم صوم داؤدی کے پابند تھے، نیز پنجشنبہ، جمعہ، دوشنبہ، ایام بیض، عاشورا، اور عشرۂ ذی الحجہ

کے روزے بالالتزام رکھتے تھے، رمضان کے عشرۂ اخیرہ مین اکثر اعتکاف کرتے۔

وضع وقطع | کپڑے موٹے جھوٹے پہنتے، اکثر گزینہ کا کرتا بنواتے، اور نیلا یا سبز عمامہ باندھتے، اور انہی رنگون کو پسند کرتے تھے، جوگیون کا رنگ سخت ناپسند کرتے، اور مریدون کو بھی اس رنگ کے کپڑے استعمال نہ کرنے دیتے، عمامہ پانچ یا سات گز کا ہوتا تھا، نیم آستین بہت پسند تھی، اس پر پشمینہ کا جبہ لازم تھا گرمی کم پہنتے تھے، آخر وقت میں کوئی مرید سلا کر لایا، تو چند روز اس کو پہنا تھا، اور پسند بھی کیا تھا، فرغل سے بہت برہم ہوتے تھے،

طریق تربیت | مخدوم صاحب کا دستور یہ تھا کہ ہر شخص کو فوراً مرید نہین کرتے تھے، جب پوری رغبت پاتے، اور صلاح مین مستقیم دیکھتے، تب بیعت کرتے، اور ابتدا مین صرف ایام بیض کے روزے اور چھ رکعت صلوٰۃ الاوابین، اور کچھ نوافل و وظائف بتاتے، اور مجاہدۂ نفس اور تعمیر اوقات کی تاکید فرماتے، تقلیل طعام کا مقید نہ فرماتے، اکثر لوگون سے یہ کہتے کہ کام کرنا چاہئے کھانا کم کرنے کی حاجت نہین ہے، اور اگر کسی کو تقلیل طعام کا مشورہ دیتے تو اس کی تاکید فرماتے کہ بتدریج کم کرنا چاہیئے، اور کم بھی اتنا کہ قوت عبادت مین ضعف نہ پیدا ہو، اور تا وقتیکہ ذکر کی تلقین نہین فرماتے، جب اقسام طاعت سے اوقات معمور ہو جاتے، اور عبادت کی حلاوت حاصل ہونے لگتی، اور فواحش نفسانی و لذت شہوانی سے رہائی حاصل ہو جاتی، اس وقت ذکر جہر تلقین فرماتے، اور جب تک مرید کمال استقامت کو نہین پہنچ لیتا اسرار کی گفتگو نہ فرماتے،

توکل وقناعت | ابتدائے قیام شریعت آباد مین بہت تنگی و عسرت کی ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی اکثر فاقے کی نوبت آجاتی تھی، بعد مین فتوحات کا دروازہ کھل گیا، مخدوم کے مریدون اور معتقدون مین زیادہ تعداد دستکار صالح مسلمانون کی تھی، وہ کثرت سے تحفے اور ہدیئے پیش کرتے جس کو مخدوم بے تامل قبول فرماتے، اور اس کو خاص اپنی خوراک و پوشاک مین صرف فرماتے، مالدارون کے ہدیے جب تک

ان کی نیت اوراُن کے اعتقاد کی پختگی کا اطمینان نہ فرما لیتے، نہ قبول کرتے، جب اطمینان حاصل ہو جاتا تو قبول کرتے لیکن اس کو فقیرون ہمسایون اور مسافرون پر صرف فرماتے، خود استعمال نہ کرتے، [۱]

اخلاق وعادات مہمانون اور مسافرون کی بہت دلجوئی فرماتے، بیکسون کی ہمدردی، کمزورون کی غمخواری اور حاجت مندون کی کار برآری آپ کا شیوہ تھا، کوئی اپنی امداد یا سفارش کے لئے اُمراو حکام کے پاس لیجانا چاہتا تو بے تامل چلے جاتے، حکام بھی آپ کی بات نہ ٹالتے،

آپ اغنیار کے ساتھ گفتگو مین بہت سخت تھے، نرمی سے ہرگز اُن سے بات نہ کرتے، اُن کی خلافِ شرع حرکات پر بہت ڈانٹتے اگر کوئی مونچھیں بڑھائے ہوئے حاضرِ خدمت ہوتا تو اس کی مونچھیں کاٹ دیتے، ڈاڑھی منڈون کا منہ نہ دیکھتے، اور اگر دیکھتے تو ان سے توبہ کراتے، اور اُن کے منہ پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد اُن کو داڑھی رکھنے کی توفیق ہو جاتی، آپکے کلام مین بڑا اثر تھا، اکثر بدکار لوگ آپکے کلام کی برکت سے نیکوکار بن گئے،

اہلِ دنیا سے بہت متنفر تھے، اُن کے نذرانے قبول نہ کرتے، مددمعاش کو مدومات کہتے تھے، اپنے معاصرین کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرتے، مشائخِ وقت مین سے کسی کی نسبت کوئی دریافت کرتا، تو فرماتے کہ بزرگ ہین،

حقائق و اسرار کا ذکر جو اس زمانہ مین خانقاہون مین رائج تھا، آپ کی مجلس مین بالکل نہ ہوتا تھا، فرماتے تھے، کہ اُن حال کی باتون کو قال مین لانا ادب سے دور ہے، فرماتے تھے کہ مذاکرہ کے لائق یہی مسائل شرعیہ اور قواعد اخلاق و آداب ہین، [۲]

قوالی سے پرہیز ابتدا مین سماع کے بہت دلدادہ تھے، مگر آخر وقت مین قوالی سے بالکلیہ پرہیز کرنے لگے تھے، اور فرماتے تھے، کہ اس زمانہ مین سرود نہ سننا چاہیے کہ کوئی شرط اب موجود نہین رہ گئی

---

[۱] مناقب العارفین ص ۱۱ [۲] ایضاً ص ۱۲،

زمانہ خراب ہوگیا مناسب یار نہین رہے، اور قوالون مین لالچ پیدا ہوگئی ہے، ایسے وقت مین قوالی سننا درویشون کے طریقے کے مناسب نہین ہی،[1]

پابندی شریعت کے اہتمام مخدوم صاحب کو پابندی شریعت مین کمال استقامت حاصل تھا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب مین بہت سخت تھے، جاہلانہ رسمین اور اکثر بدعتین جو اس دیار مین رائج تھین مثلاً جلوہ، نقارہ، اور شادی بیاہ کی رسمین ان سب کو انھون نے نیست و نابود کر دیا تھا، اہلِ بدعت و غفلت کے حق مین بہت سخت تھے، خلاف شرع بات دیکھ کر بے قابو ہوجاتے اُن کے قریب اگر کوئی دمامہ بجاتا، اور اس کی آواز ان کے کان مین پڑ جاتی، تو جا کر اس کو توڑ ڈالتے، کسی کو فجر کے وقت سوتا ہوا پاتے تو اس کے منہ پر پانی ڈال کر جگاتے، یا لکڑی سے بیدار کرتے، اور کبھی کبھی تو مار دیتے،[2]

شاہ یٰسین صاحب سے ایک دفعہ پوچھا کہ تہجد کے وقت اٹھتے ہو، اور اسمار حسنی کا ذکر کرتے ہو؟ انھون نے عرض کیا کہ حضرت سلامت کبھی کبھی اٹھتا ہون، مداومت نہین ہے، فرمایا کہ مین نے تم کو پیراہن اسی لئے دیا ہے؟؟ ہرگز تساہل نہ کرنا، اور نماز تہجد کو، ذکر اسماء حسنی کے ساتھ اپنے اوپر لازم قرار دینا، ذکر جس وقت فرصت ہو کر لو، اس کے لئے وقت تہجد لازم نہین ہے، ہان ناغہ نہ کرو،[3]

حضرت مخدوم کے خلفا و مریدین

مخدوم شاہ طیب کے فیض تربیت سے جو بزرگ مرتبۂ کمال کو پہونچے، اُن کی تعداد بہت ہو، مگر اُن مین دو بزرگ اُن کے حقیقی خلیفہ ہین، کہ ان مین سے ہر ایک آفتاب آسمان ہدایت اور قطب فلک ارشاد ہے،

(۱) ایک بندگی شیخ ناصر الدین جو مولانا خواجہ سلطان شیخپوری کے چھوٹے صاحبزادے ہین،

---

[1] مناقب العارفین ص۳۱ [2] ایضاً، [3] ایضاً ص۳۲،

مخدوم صاحب ان کو بچپن ہی سے بہت چاہتے تھے، آپ ہی کی خدمت مین وہ رہتے تھے، صرف ونحو کی تعلیم بھی آپ ہی سے حاصل کی، اس کے بعد مخدوم صاحب سے اجازت لے کر جون پور گئے، اور فقہ واصول ومعانی کی تحصیل کرنے کے بعد مدتون آگرہ مین رہ کر تفسیر وحدیث کا فن پڑھا، اور وہین تمام کتب متداولہ سے فراغت حاصل کرکے فاضل ہوئے،

تحصیل کے بعد گھر پہنچے تو مولانا خواجہ کلان سے اجازت لیکر شیخ تاج الدین جھونسوی نے ان کو اپنا مرید کیا، اور تعلیم وتربیت فرمائی، شیخ کی وفات کے بعد اُن کا بیشتر وقت مخدوم صاحب کی صحبت مین گذرتا تھا، مخدوم صاحب اُن کی تربیت بہت توجّہ سے فرماتے تھے، ان دونون بزرگون نے اپنی خلافت اُن کو تفویض فرمائی،

مخدوم صاحب نے جب اپنے صاحبزادہ مخدوم شاہ یٰسین کو مرید کیا تو اس وقت شیخ ناصر الدین موجود تھے، مخدوم نے اُن کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ ان کے کفیل ہین، مطلب یہ تھا کہ اُن کی تربیت آپکے سپرد ہے، شیخ موصوف مناقب العارفین کی تصنیف کے وقت[۱] تک زندہ تھے، شاہ یٰسین اُن کو مخدومی ومولائی ومرشدی لکھتے ہین،

(۲) دوسرے بندگی میان شیخ عبد الرشید جون پوری صاحب مناظرہ رشیدیہ، جون پور کے شہرۂ آفاق عالم اور سجادہ درویش تھے، مدۃ العمر درس وتدریس کا مشغلہ جاری رکھا، ابتدا مین اپنے پدر بزرگوار کے مرید ہوئے، بلکہ خرقۂ خلافت سے بھی مشرف ہوئے، لیکن والد کی زندگی مین سلوک اختیار نہین کیا تھا، ان کی وفات کے بعد منڈواڈیہہ حاضر ہوکر مخدوم صاحب سے مرید ہوئے اور تعلیم حاصل کی اور مخدوم صاحب کی صحبت اُن کو ایسی پسند آئی کہ درس وتدریس کا مشغلہ چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا، مگر حضرت مخدوم نے اس کو پسند نہین کیا، اور اس سلسلہ کو باقی رکھنے کی تاکید کیا تھا

---

[۱] مناقب العارفین کا سال تصنیف ۱۰۵۶ھ ہے،

ان کو جونپور رخصت کیا، اور فرمایا کہ صبح کے وظیفہ کے بجاے طالب علمون کو سبق پڑھائیں کہ یہ بھی عبادت ہی ہے اس کے بعد شاہ عبدالرشید برابر مخدوم کی خدمت مین آتے جاتے رہے تا آنکہ مخدوم نے خواجگان چشت کا پیراہن اور سلاسل چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ مین بیعت کرنے کی اجازت اُن کو دی، اور اپنا خلیفۂ مطلق قرار دیا،

حضرت مخدوم کے دوسرے مریدون مین مندرجۂ ذیل حضرات بھی قابلِ ذکر ہین،

(۱) میان شیخ عالم، جو مخدوم صاحب کے چچا اور شیخ تاج الدین کے مرید تھے، مگر اپنے کو حضرت مخدوم کے مریدون مین شمار کرتے تھے، اور اکثر اُن کی صحبت مین رہتے تھے، حضرت مخدوم سے ایک سال پہلے ۱۸ھ؁ وفات پائی، منڈواڈیہہ مین حوض (تالاب) کے اوپر کا مزار ہے، (۲) شیخ عبدالمومن کشمیری اوائل مین شاہی نوکر تھے، مخدوم سے مرید ہونے کے بعد مجاہدے اور ریاضتین کین، اور بلند مقامات حاصل کئے، ۱۰۳۰ھ؁ مین وفات پائی، منڈواڈیہہ مین مخدوم صاحب کی والدہ کے مزار کے پاس اُن کا مزار ہے، (۳) شیخ فاضل پھلتی فاضل وقت و عالم زمانہ تھے، مخدوم صاحب کی خدمت مین پانچ سال تک استفادہ کیا اور نعمتین حاصل کین، اس کے بعد مخدوم نے ان کو باصرار پھلت رخصت کیا، پھلت مین بہت سے لوگ اُن سے فیضیاب ہوئے، ان کا مزار پھلت کے روضہ مین ہے، (۴) شیخ حسن جن کی وفات ۱۰۴۹ھ؁ مین ہوئی، اور اُن کا مزار شریعت آباد مین خود اُن کی بنا کردہ مسجد کے صحن مین ہے، یہ بزرگ مولانا محمد رشکی[1] قدس سرہ العزیز کے مرید تھے، مگر مخدوم صاحب کے صحبت یافتہ تھے (۵) شیخ عبداللہ مشہدی بھی مخدوم صاحب کے مرید باصفا اور باخدا بزرگ تھے، طالب علمی کے سلسلہ مین زیادہ باہر رہنے کی وجہ سے خلافت سے مشرف نہین ہو سکے، تاہم وہ اس کے اہل تھے، بڑے متبع سنت و نیک کردار تھے،

---

[1] مولانا محمد رشکی بڑے صاحب فیض بزرگ تھے، ثقہ لوگون کا بیان ہے کہ اُن سے تقریباً تین سو کافرون نے پڑھا تھا، اور جو اُن سے پڑھتا تھا مسلمان ہو جاتا تھا، (مناقب العارفین ص ۲۲)

مخدوم صاحب کے سجادہ نشین

مخدوم صاحب کے ممتاز خلفا مین خود ان کے صاحبزادہ مخدوم شاہ یٰسین بنارسی بھی ہین، جو اُن کے بعد اُن کے سجادہ نشین ہوئے، وہ پندرہ سال تک کبھی اُن سے جدا نہین ہوئے، اور انہی کی خدمت مین ارشاد و کنز الدقائق تک تحصیل کی، اس کے بعد مخدوم نے اُن کو جون پور روانہ کیا، ....
.... وہان افضل العلماء بندگی میان شیخ افضل جون پوری[1] اور اعلم زمانہ میان شیخ عبد الرشید[2] جونپوری کے پاس سات آٹھ سال تک مصروف تحصیل رہے، اور منطق و نحو و فقہ و اصول اور بعض رسائل حکمت پر عبور حاصل کیا، سال مین ایک دفعہ دو تین ماہ کے لئے گھر آتے، اور مخدوم سے فیوض و برکات حاصل کرتے، انیس ۱۹ سال کی عمر مین مخدوم نے اُن کو مُرید کیا، اور کچھ چیزین تلقین فرمائین، بیس ۲۰ سال کی عمر مین عید کے دن خواجگانِ چشت کا پیراہن عطا ہوا، اور اجازت نامہ و خلافت سے مشرف ہوئے، یہ ۱۰۴۰ھ کا واقعہ ہے،

جس وقت وہ اصول بزودی پڑھ رہے تھے، اس وقت مخدوم صاحب کبھی فرماتے کہ اب بس کرو فقیر کے لئے اتنا علم کافی ہے، اور کبھی یہ کہتے کہ کوئی دوسری چیز پڑھو، اس زمانہ مین چونکہ اُن کی شادی ہو چکی تھی، اور سال بھر تک پڑھنے کا بہت نقصان ہوا تھا، اس لئے فرمایا کہ جون پور گھر سے بہت

---

[1] میان شیخ افضل استاد الملک کے لقب سے مشہور ہین، ان کے والد شیخ حمزہ مفتی ردولی مین رہتے تھے، ابتدا مین اپنے والد سے پڑھا، تکمیل دہلی جا کر ملا شیخ حسین کے حلقۂ درس مین کی، صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کی قرأت دس ملا ابو حنیفہ کی خدمت مین کی، استاد الملک نے اپنے چھوٹے بھائی سلطان محمود کے ساتھ جون پور مین قیام کیا ... ملا محمود جونپوری، اور دیوان عبد الرشید آپ کے ممتاز شاگردون مین تھے، ۱۰۶۲ھ مین انتقال کیا، چاچک پور (جونپور) مین مدفون ہوئے، (تجلی نور ص ۴۳)

[2] میان شیخ عبد الرشید جن کو دیوان محمد رشید بھی کہتے ہین، عثمانی مشہور ہین، اُن کے والد شاہ جمال مصطفیٰ موضع بروہنہ پرگنہ انگلی ضلع جونپور کے تھے، پہلے آپ نے ملا شمس نور بزدوی سے پڑھا، اس کے بعد ملا افضل جونپوری کے یہان فاتحہ فراغ پڑھا، ملا محمود جونپوری کے معاصر تھے، پہلے اپنے والد کے مرید ہوئے، جو ایک واسطہ سے شیخ نظام الدین امیٹھوی کے مرید تھے، پھر شاہ طیب بنارسی کے مرید ہوئے، اور انہی سے خلافت پائی،

قریب ہے، اس کی وجہ سے پڑھنے کا نقصان ہوتا ہے تم کڑہ چلے جاؤ، شاہ یٰسین صاحب کڑہ چلے گئے،
اور وہان استاذ علماء میان شیخ جمال اولیاءؒ کی خدمت مین ہدایہ جلد اول کی قرأت اور بیضاوی کی سماعت شروع
کی، مگر ابھی دو اڑھائی مہینے ہی گذرے تھے، کہ مخدوم صاحب نے اُن کو واپس بلا بھیجا، وہ کڑہ سے چلے، تو
راستہ مین ہی خبر ملی کہ مخدوم صاحب کا وصال ہوگیا،

مخدوم صاحب کا وصال مخدوم صاحب کا وصال مہ پوٹہ مین ہوا، وہان سے نعش مبارک منڈواڈیہہ لائی
گئی، اور وہین آپ مدفون ہوئے، وفات کے وقت شاہ یٰسین صاحب موجود نہین تھے، میان شیخ ناصر
شیخ پوری ساتھ تھے، اور انھیں نے آپ کو سپرد خاک کیا، دوسرے دن شاہ یٰسین پہنچے، اور تیسرے دن میان
شیخ عبد الرشید نے پہنچکر فاتحہ پڑھی، اور اُن کی دلجوئی فرمائی، یہ حضرات ایک ماہ تک وہین مقیم رہے، یہ واقعہ
شوال ۱۰۴۲ھ کا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۲) مناظرہ مین آپ کا رسالہ رشیدیہ داخل درس نظامی ہے، آپ نے بردنہ کی سکونت ترک
کرکے جونپور مین ایک خانقاہ تعمیر کی، اور وہین مقیم ہوئے، ۱۰۸۳ھ مین واصل بحق ہوئے، محلہ رشید آباد (جونپور)
مین مدفون ہین، (تجلی نور) حضرت شاہ طیب بنارسی کے خلفاء مین آپ کا ذکر ہو چکا ہے، سید غلام علی آزاد بلگرامی
نے بھی سبحۃ المرجان مین آپ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ھو من کبار الاولیاء وکرام العلماء، یہ بھی لکھا
ہے کہ شاہجہان نے قاصد بھیج کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی، مگر انھون نے انکار کر دیا، اور اپنے زاویہ سے قدم
باہر نہین نکالا، (سبحۃ المرجان ص ۶۶) ؎ شیخ جمال اولیاء بڑے متبحر عالم اور عارف کامل تھے، میر سید محمد کالپوی
نے بھی زیادہ انھی کی خدمت مین تحصیل علم کی تھی، نیز چشتی طریقہ مین انھی کے مرید و مجاز تھے، میر سید محمد کی وفات
۱۰۷۱ھ مین ہوئی، (تقصار ص ۲۰۵) شیخ جمال اولیاء، شیخ بہار الدین جونپوری کے خلیفہ میان سالار بڈھ
ساکن کڑہ کی اولاد مین تھے، جیسا کہ مخدوم محمد عیسیٰ کے ذکر مین آگے مذکور ہوگا، میان شیخ سالار، شیخ بڈھ حقانی
کے بھی مرید و شاگرد تھے، جیسا کہ پہلے آچکا ہے،

شاہ یٰسین صاحب کا بیان ہے کہ مین نے ایک رات آپ کو خواب مین دیکھا تو پوچھا کہ یہان کیا گذری،

فرمایا خوب گذری، اور اونچا مقام نصیب ہوا، لیکن بیٹا! میرا ارادہ تھا کہ اس بارگاہ مین درویشی کا ہدیہ پیش

کرون گا، پر یہان تو یہ حال ہوا کہ درویشی کا نام دامن مین چھپانا پڑا، شاہ صاحب فرماتے ہین کہ مخدوم کے

الفاظ یہ تھے :-

"دل میرا ایسا تھا کہ اس درگاہ منہ (میں) نفیری کمنہ (کو) تحفہ کیجے، کا پی ایہان (یہان)

دامن تلین (تلے) چھپاونان (چھپانا) پڑی ہے"،

شیخ تاج الدین جھونسوی

(المتوفی ۱۰۳۰ھ ہجری)

ہر چند کہ مخدوم شاہ طیب کو بیعت اور خلافت واجازت مولانا خواجہ کلان سے حاصل تھی، مگر چونکہ

اُن کی تربیت وتکمیل شیخ تاج الدین نے فرمائی تھی، اس لئے وہ انھی کو اپنا پیر سمجھتے تھے، اور اپنے کو انھی کی

طرف منسوب فرماتے تھے،

شیخ تاج الدین، مولانا خواجہ کلان کے چچازاد بھائی تھے، مولانا کے والد بزرگوار شیخ نصیر الدین

کے پانچ بھائی تھے، میان شیخ الہدین، میان شیخ ضیاء الدین، شیخ منہاج الدین، شیخ ابو الفتح، اور

شیخ سلیمان، ان مین سے شیخ منہاج الدین کے فرزند شیخ تاج الدین تھے اور شیخ نصیر الدین کے مولانا خواجہ کلان،

شیخ تاج الدین نے فارسی پڑھنے کے بعد اپنے چچا شیخ نصیر الدین کے پاس صرف کی کچھ کتابیں پڑھین،

بعد ازان تحصیل علم کے لئے جون پور گئے، وہان نحو وصرف کی کتابین پڑھین، اکثر میان شیخ نور اللہ

انصاری ہروی کی خدمت مین استفادہ کیا، ابھی منار الاصول تک پڑھا تھا، کہ ان مین ایک جذبہ

قوی پیدا ہوا، اور پڑھنا چھوڑ کر جون پور سے شیخپورہ چلے آئے، اور مولینا خواجہ کلان کی خدمت مین

منازل سلوک طے کرنے مین مشغول ہوگئے، اس وقت اُن کو سماع کا شوق تھا، مولانا خواجہ کلان سے چھپ چھپ کر

سنتے تھے، مگر مولنا خواجہ کلان نے کسی کسی وقت اُن کو اشارۃً کچھ کہا تو سماع سے اُن کا دل سرد ہوگیا، کم سنی مین اُن کے والد نے اُن کو بندگی شاہ ابو الفتح حسنی ظفرآبادی[۱] کے ہاتھ پر بیعت کرا یا تھا، مگر مدارج سلوک انھون نے مولنا خواجہ کلان کی صحبت مین طے کئے، اکثر مشائخ وقت سے ملاقاتین رہین اور وہ ان کے مداح تھے، میان شیخ جعفر ساکن امیٹھی[۲] دو ہفتہ اُن کے پاس رہے، اور انھون نے شیخ تاج الدین کے فضل و علو شان کا اعتراف کیا، مولنا شیخ افضل جونپوری بھی اُن کے کمالات کے معتقد و معترف تھے

معمولات و اخلاق و عادات - شیخ تاج الدین کھانا بہت کم کھاتے تھے، صرف دو ایک چمچہ صرف مونگ (غالباً مونگ کی کھچڑی) یا چاول اور شوربا کھاتے تھے، اکثر جاڑون اور برسات مین زنجبیل کو مربّی سے افطار کرتے تھے، بہت سے معجون بھی تیار رکھتے تھے، جو مریضون کو دیتے تھے، راتون کو اکثر بیدار رہتے، پاؤن پھیلا کر کبھی نہ سوتے، چھوٹے سے کھٹولے پر لیٹتے تھے، جس پر پیر پھیلانا ہی ممکن نہ تھا، تھوڑی دیر ویسے ہی پاؤن سمیٹے ہوئے سوجاتے، یا آنکھ بند کئے پڑے رہتے، پھر اُٹھ کے وضو کرتے، اور نماز یا مراقبہ مین مشغول ہو جاتے، اکثر نماز تہجد کے بعد جہر کے ساتھ ذکر کرتے، اور بڑی محنت کرتے تھے، سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ اذکار سہروردیہ و شطاریہ، و قلندریہ و مداریہ کی اجازت بھی انھون نے حاصل کی تھی، اور ان کا شغل بھی کرتے تھے، شیخ ابو الفتح صدیقی سے اذکار قلندریہ اور حاجی محمد مداری[۳] سے سلسلۂ مداریہ کے اذکار کی اُن کو اجازت تھی، صبح کے وقت ایک پہر دن چڑھے تک ان کا حجرہ مقفل رہتا، اس کے بعد نکلتے تو میدان کی طرف چلے جاتے، واپسی پر بہت دیر تک وضو اور مسواک کرتے رہتے، اسی درمیان مین لوگون سے گفتگو فرماتے

---

[۱] سید رکن الدین، ابو الفتح فیض اللہ سہروردی خلف شمس الدین ابو نجیب محمد مخدوم آفتاب ہند ظفرآبادی کی اولاد مین تھے، ۸۵۵ھ ہجری مین وفات ہوئی، مزار موضع سرسانوان ضلع اعظم گڈھ مین ہے، (چراغ نور ۴۴)

[۲] المتوفی فی ۱۰۲۸ھ کما فی النفحات العنبریہ ۱۲ منہ [۳] حاجی محمد مداری سلسلۂ مداریہ کے بزرگ اور پابند شرع تھے، سیکر دہ مین اُن کا مزار ہے، (مناقب العارفین)

اس کے بعد حجرہ مین جاکر تلاوت یا نماز یا مراقبہ مین مشغول ہوجاتے ، دوپہر کے قریب تھوڑی دیر کھٹولے پر آرام
کرتے ، ظہر کی نماز پڑھ کر مخدوم شاہ طیب کو حجرہ مین بلاکر تعلیم دیتے ، اور کبھی خود اُن کے حجرہ مین چلے جاتے ، اور
دو دو تین تین گھنٹے بیٹھتے ، اکثر شیخ پورہ مین رہتے تھے ، کبھی کبھی خوجہ پورہ مین بھی قیام فرماتے ، جھونسی میں بہت
زیادہ قیام کرتے ، اور ابراہیم پورہ بھی زیادہ جاتے تھے ، مسکینوں اور ضعیفوں کے ساتھ بڑی مہربانی سے
پیش آتے ، بیواؤن کے کاتے ہوے سوت منگواکر ان کو اس کا دام دیتے ، اور اس سے خاص اپنے کپڑے
بنواتے یتیموں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق اور عاجزون کے لئے پشت پناہ تھے ، حاجت مندون کی حاجت
فوراً پوری کرتے ، تمام تر اخلاق نبوی سے آراستہ تھے ، سب سے ہنسکر بولتے ، اور اکثر مزاح و خوش طبعی بھی کرتے ،
بچون کے ساتھ انہی کی جیسی باتین کرتے ، اُن کو کھلونے دیتے ، جوانون کے ساتھ اُن کے روزگار کی بات چیت
کرتے ، بوڑھون کے ساتھ تواضع و نرمی برتتے ، اکثر بے دست و پا کمزور اشخاص کو بلاکر اپنی خرچی دیدیتے اور
کھانا کھلاتے ، ہر طبقہ کے آدمی سے اُس کے مناسب حال گفتگو کرتے ، کوئی کاشتکار آجاتا تو کھیتی باڑی اور
مویشی کا حال دریافت کرکے اسی کے ضمن میں اس کو مسائل زراعت واحکام بیع وسلم وغیرہ بتا دیتے ، شریعت
کا حد درجہ پاس ولحاظ رکھنے کے باوجود کسی سے درشتی نہین فرماتے تھے ، بلکہ نرمی سے منع کرتے ، اور باطنی
توجہ سے منکرون کے دل سے انکار کو دور کرتے تھے ،

شریعت کی عظمت اور بدعت کی بیخ کنی

شریعت کا بڑا احترام کرتے تھے ، اور سختی سے اس کے پابند تھے ، اس دیار مین جو بدعتیں رواج
پاگئی تھین ، اُن کو بکسر مٹاڈالا تھا کہین ان کا نام ونشان باقی رہنے نہ دیا تھا ، مثلاً جلوہ
کہ بہت سے ممنوعات پر مشتمل تھا ، اور شادی کی بہتیری رسمین جو ہندوؤن سے مسلمانون مین آئی تھین ، جیسے چوک
وکلس ورنگہ (رنجک) جن کے ہندوانے نام ہی بتاتے ہین کہ اہل کفر کے شعائر مین سے ہین ، ان سب کو برطرف
کردیا تھا ، نقارہ ، ڈھول اور تمام مزامیر جو شادی اور ولادت اور ختنہ مین بجتے تھے ، سب کو منع کردیا تھا ، وہ
بدعتین جو ایام مصیبت مین رائج تھیں ، جیسے عورتون کا چالیس دن تک جمع ہونا اور زمین پر سونا ، اور دستور

بیسوین اور چالیسوین کا کھانا، ان کی بھی بیخ کنی کرڈالی، بھی جلوہ کی حرمت مین ایک رسالہ بھی تصنیف کیا تھا جس کا نام "قامع الجلوہ محی السنۃ و ماحی البدعۃ" تھا، اس مین تمام رسوم نکاح پر بحث کی تھی،

علم وفضل باوجودیکہ آپ کی تحصیل منار الاصول سے آگے نہ تھی، مگر تسکین جذبہ کے بعد چند روز تک اصول وفقہ وحدیث وتفسیر کی کتابون کا کما حقہ مطالعہ کیا تھا، اس لئے آپ کی نظر بہت وسیع ہوگئی تھی، حافظہ بہت قوی تھا، اس لئے مضامین ازبر تھے، آپ کے کتب خانہ مین دو تین سو کتابین تھین، سب پر ان کو عبور حاصل تھا، تصنیف کا مشغلہ بھی کچھ تھا، چالیس کے قریب رسائل وغیرہ تالیف فرمائے تھے، ظاہر شرع کی رعایت بکمال درجہ ملحوظ خاطر تھی، اس لئے اسرار مین کوئی رسالہ تصنیف نہین کیا،

طریق تربیت مریدون کی تربیت اُن کی استعداد کے لحاظ سے فرماتے، اور اُن کے حوصلہ کے اندازہ سے اوراد ووظائف بتاتے، مرید بہت کم کرتے جب کوئی مرید ہونیکے لئے آتا تو اسکے احوال کی تفتیش سختی سے فرماتے کسی کسی کا دو دو تین تین سال تک امتحان کرکے مرید ہونے پر ان کی بہت کڑی نگرانی کرتے، اس کی بہت تاکید کرتے تھے کہ ایک جگہ جم کر کام کرنا چاہیے ہر دری و سرسری نہ ہونا چاہئے، فرماتے تھے کہ توحید مطلب کے بدون خدارسی ممکن نہین، مخدوم شاہ طیب کا طریق تربیت آپ ہی کے طریق سے ماخوذ تھا،

آپ کے مریدین آپکے خلفا مین مخدوم شاہ طیب بنارسی اور شیخ ناصر الدین ہین، اُن کے علاوہ حسب ذیل حضرات کو بھی شرف بیعت حاصل تھا،

میان شیخ عالم، مخدوم شاہ طیب کے چچا، سید عبد الکریم جن کا اصل وطن بارہا (بارہہ) تھا، اس کے بعد جونسی مین متوطن ہوگئے تھے ۱۰۵۴ھ تک زندہ تھے، شیخ مصطفی کاکوروی، ابتدا مین آپ سے پڑھتے تھے، بعد مین مرید ہوگئے، مدتون آپ کی صحبت مین رہے، اور اجازت تلقین حاصل کرکے وطن مالوف لوٹے، ان اطراف مین اُن سے بہت فیض پہنچا، مگر جلد ہی سفر آخرت پیش آگیا،

وصال شیخ تاج الدین قدس سرہ کی عمر جب ساٹھ سال کی ہوئی تو اکثر فرماتے تھے، کہ اب میری وفات کا زمانہ بھی قریب آگیا ہے، مین نے خدا سے ہمیشہ درخواست کی ہے، کہ میری عمر تریسٹھ سال سے زیادہ نہ ہو،

نہ ہوتا کہ عمر کے لحاظ سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کے ساتھ دنیا سے جاؤن، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے ۱۰۳۱ھ مین ترسٹھ سال کی عمر مین وفات پائی، اور آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مخدوم شاہ طیب و شیخ ناصر الدین وغیرہما نے آپ کو جھونسی مین گنبد کے باہر دفن کیا، آپ نے مرض الموت مین وصیت کی تھی کہ مجھ کو گنبد کے اندر نہ رکھین، اس لئے کہ مین اُن بزرگون کی مساوات کے لائق نہین ہون، حضرت مخدوم شاہ طیب سے یہ بھی فرمایا تھا کہ کفن سنت تین کپڑے ہین، پیرہن، تہبند اور چادر، اور ہرچند کہ بعض لوگون نے علماء اور مشائخ کے لئے دستار بھی تجویز کی ہے، لیکن مجھکو دستار ہرگز نہ دینا، اور تم بھی دستار قبول نہ کرنا، فقیرون کو دستار نہ دینا چاہیے،

جانشین وصال کے بعد حضرت شاہ طیب نے دو مہینے جھونسی رہ کر شیخ تاج الدین کے حکم کے مطابق طالبون کی تربیت اور مریدون کو تلقین فرمائی، اس کے بعد وہ پیراہن جو اُن کو شیخ نے یہ کہکر دیا تھا کہ اس کو آپ پہلے پہن کر شیخ ناصر الدین کو پہنا دینا خود پہنکر شیخ ناصر الدین کو پہنا دیا، اور اُن کو شیخ کا جانشین مطلق قرار دیکر بنارس روانہ ہو گئے،

(باقی)

بزمِ صوفیہ

اس مین عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیہ کرام مثلاً شیخ ہجویری، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ وغیرہ کے مستند حالات و واقعات اور تعلیمات، اور اس وقت کے اخلاق، معاشرت اور سیاست پر کس حد تک یہ حضرات اثر انداز ہوئے، ان سب کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

(مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے)

قیمت: ۶ؔ/

آثارِ علمیہ و ادبیہ

مکاتیبِ اقبال

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(۴۲)

لاہور

۱۵ر مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہون، ایک زحمت دیتا ہون، معاف فرمائیگا، "مباحث مشرقیہ" لاہور مین دستیاب نہین ہو سکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلمبند فرماکر مجھے ارسال فرما دین، مین اس کا ترجمہ نہین چاہتا، صرف خلاصہ چاہتا ہون جس کے لکھنے مین غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہوگا،

بزمِ اغیار کی رونق ضروری تھی، اسلام کا ہندوؤن کے ہاتھ بک جانا گوارا نہین ہو سکتا، افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہین جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہین کر سکتا،

اُمید کہ مزاج بخیر ہو گا، والسّلام

مخلص محمد اقبال

(۴۳)

لاہور

۲۵ راپریل ۱۹۲۹ء

مخدومی السّلام علیکم

نوازشنامہ مل گیا ہے، لکچرون کا اردو[1] ترجمہ انشاء اللہ کیا جائے گا، اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کرون گا،

سر شفیع کی خدمت مین عرض کر دون گا،[2] ذوالفقار علی خان ہ۔ مئی کو ولایت جا رہے ہین، ان سے کہنا مناسب معلوم نہین ہوتا، کیونکہ اُن کی مالی حالت کچھ حوصلہ افزا نہین ہو، بہتر ہو کہ آپ سر عبد القادر سے اس کارِ خیر کے لئے چندہ طلب فرمائیے،

والسّلام مخلص محمد اقبال

(۴۴)

لاہور

۲ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی السّلام علیکم:-

ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا ہون، اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہو گا جس باب مین

---

[1] وہ لکچر جو مدراس مین میرے "خطبات مدراس" کے بعد اقبال مرحوم نے دئیے تھے جو انگریزی مین شائع ہو چکے ہین

[2] شاید ندوہ کی امداد کی درخواست کی ہو،

مولانا شبلی رح نے ایک فقرہ شعائر وارتفاقات کے متعلق نقل کیا ہے، اسی باب مین ایک اور فقرہ نظر سے گذرا جو پہلے نظر سے نہ گذرا تھا،

"وشعائر الدین امر ظاھر تخصیص بہ ویمتاز صاحبہ بہ فی سائر الادیان کالختان وتعظیم المساجد والاذان والجمعۃ والجماعات"،

یہ شاہ صاحب کی اپنی تشریح ہے، جناب کا ارشاد اس بارے مین کیا ہے؟ علیٰ ہذا القیاس ارتفاقات مین شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق تمام تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہون داخل ہین، مثلاً نکاح وطلاق کے احکام وغیرہ، اگر شاہ صاحب کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے، تو حیرت انگیز ہے، اگر ان معاملات مین تھوڑی سی ڈھیل بھی دیجائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا، ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور و مراسم کی پابندی کرین گے،

ستمبر کے معارف کا شدت کے ساتھ منتظر ہون، جلد بھجوایئے،

والسلام مخلص محمد اقبال

(۴۵)

لاہور

۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی السلام علیکم:-

الکلام (یعنی کلام جدید) کے ص ۱۱۴-۱۱۳ پر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغۃ (ص ۱۲۳) کا ایک فقرہ عربی مین نقل کیا ہے جس کے مفہوم کا خلاصہ انھون نے اپنے الفاظ مین بھی دیا ہے، اس عربی فقرہ کے آخری حصہ کا ترجمہ یہ ہے[1]،

---

[1] مولانا شبلی مرحوم نے شاہ صاحب کے الفاظ کے جو وسیع معنی قرار دیئے ہیں وہ صحیح نہین۔

"اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعائر، تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کی عادات کا لحاظ کیا جائے جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے"

مہربانی کر کے یہ فرمائیے کہ مندرجۂ بالا فقرہ میں لفظ شعائر سے کیا مراد ہے، اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں، اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے، جواب کا سخت انتظار رہے گا،

والسلام مخلص محمد اقبال

(۴۶)

لاہور

۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی! والا نامہ ملا جس کے لئے بہت شکر گذار ہوں، لفظ شعائر کے معنی کے متعلق پورا اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہوا، کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے؟ دیگر غرض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اسی فقرہ میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے، مولینا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے، اردو ترجمہ سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے، کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ سے گذری، اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں، ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح و طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں، کیا شاہ صاحب کے خیال میں ان معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی؟ میرا مقصد محض شاہ صاحب کا مطلب سمجھنا ہے، مہربانی کر کے اسے واضح فرمائیے، سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا، اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا، اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے،

مخلص محمد اقبال

(۴۷)

لاہور

۸ راگست ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لئے زحمت دے رہا ہون، از راہ عنایت معاف فرمائیے۔

۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات یا کسی اور کتاب مین حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے؟ حوالے مطلوب ہین،

۲۔ حضرات صوفیہ مین اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمائیے،

۳۔ متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کونسی کتاب مین ملے گی؟

امام رازی کی مباحث مشرقیہ مین آج کل دیکھ رہا ہون،

۴۔ ہندوستان مین بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہین، اور ملا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانون مین پیدا ہوئے؟ ان کے اسما سے مطلع فرمائیے، اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی،

امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا،

والسلام

مخلص، محمد اقبال

(۴۸)

لاہور

۴ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی السّلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہون،

رسالہ اتقان فی ماہیتہ الزمان آج مل گیا، مین نے اس کے لئے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا، آج مولوی برکات احمد کو ایک اور رسالہ کے لئے جو اردو مین ہے لکھا ہے، ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف تسویلات فلسفہ، کا نام کیا ہے؟ اور کتاب مذکور طبع ہوئی یا نہ، اگر نہین طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہان سے دستیاب ہوگا، مہربانی کرکے جلد مطلع فرمائین،

شرح مواقف دیکھ رہا ہون، فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد دیکھون گا[1]، خدا کرے آپ کی صحت اچھی رہے، اور آپ اس طرف جلد توجہ کر سکین، نور الاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو زمانہ مین ہے کس زبان مین ہے قلمی ہے یا مطبوعہ، نور الاسلام کا زمانہ کونسا ہے؟

اس تصدیع کے لئے معافی کا خواستگار ہون،

علوم اسلام کی جوے شیر کا فرہاد آج ہندوستان مین سواے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟ دار المصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکماے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیئے، اس کی سخت ضرورت ہے، عام طور پر یورپ مین سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانون کی کوئی فلسفیانہ روایات نہین ہین،

والسّلام

(باقی) مخلص محمد اقبال

---

[1] دیکھون گا سہو قلم ہے

ادبیات

شبِ معراج

از جناب شہ زور کاشمیری

شبِ معراج بزمِ کن مین یہ پیغام لائی ہے
کہ عرش و لامکان تک مردِ مومن کی رسائی ہے

شبِ معراج شاہد ہے کہ فطرت نے جبین اپنی
نیاز و عجز مین پائے مجاہد پہ جھکائی ہے

شبِ معراج مین بُعدِ مکان اور وقت کی وسعت
مسلمان کی نظر کے ایک گوشہ مین سمائی ہے

شبِ معراج مین وہ جست کی ہے ذوقِ انسان نے
کہ جسکی زد مین ہر رفعت دماغ و دل کی آئی ہے

شبِ معراج مین لی ہے جنون نے ایسی انگڑائی
تعقل کا ہمالہ جس کے آگے صرف رائی ہے

شبِ معراج مین مشتاقی و الفت کے داغون نے
چمک کر محفلِ گردِ بیان تک جگمگائی ہے

شبِ معراج نے دیکھا ہے اوجِ بندگی حق نے
خدائی میزبان ہے اور مہمان مصطفائی ہے

شبِ معراج مین لکھی ہے وہ منزل عبادت کی
تکلف برطرف، جس مین عبودیت خدائی ہے

ہبوطِ حضرتِ آدمؑ کی ساعت ہی سے اے انسان
یہان موجود ہین ہر گام پر معراج کے امکان

"فرمودۂ خضر"

از جناب فضا ابن فیضی

کل خواب مین مجھ سے یہ کہا خضر نے مل کر
کیون تیرا جنون خام ہے اے مردِ گران خواب

تو کر گیا اس نکتۂ روشن کو فراموش، اقوام ہوئین جس سے جہان گیر و ظفر یاب

بے دانش و حکمت ہے ثریا بھی کفِ خاک آنکھین ہون تو مٹی بھی ہے اک جوہرِ نایاب

کم حوصلہ ہو تو اسے اک بوند ڈبو دے ہمت ہو تو زخّار سمندر بھی ہے پایاب

آزاد کے ماتھے کا پسینہ بھی ہے کوثر محکوم کے ساغر مین تو ہے نوش بھی زہراب

فطرت کسی نااہل کو دیتی نہین عزت شبنم سے نہین کانٹون مین رنگِ گلِ شاداب

کیون تیری دعا کو ہے گلہ بے اثری کا آہِ سحری ہے ترے اس ساز کا مضراب

چاندی کے وہ دن ہون کہ زرِ ناب کی راتین ہر جلوہ ترے حسنِ وفا سے ہے نظر تاب

اب تک ہون مین افسردہ دل اٹھا ہون جو سو کر اک موج تھی جو تیر گئی مجھ کو ڈبو کر

جادۂ میرّیہ

از جناب روؔش صدیقی

مرحلے یون تو سخت تر گذرے ہم نے جو ٹھان لی، وہ کر گذرے

تھی گریزان، جو بوے زلفِ نگار وہم کیا کیا نہ رات بھر گذرے

کیا ہو، اُس شوخ کے تغافل پر بے رُخی کا گمان اگر گذرے

ہائے وہ ظلمتِ حیات جہان مرحلے کائے ہوے سحر گذرے

جاودان، لطف و لنوازہ ترا ہم تو درمانِ غم سے در گذرے

حادثاتِ جہان، بہر صورت ہم غریبون کی جان پر گذرے

سر پہ صدیون کا بار اٹھائے ہوئے غم کے لمحات مختصر گذرے

ہم بہ فیضِ یقینِ عشق روؔش!

دوش و فردا سے بے خطر گذرے

مطبوعاتِ جدیدہ

آداب و اخلاق مؤلفہ جناب ایم عبدالرحمٰن خان صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۱۶ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد چھ روپیے، پتہ :- مصنف نمبر ۲۶، ریلوے روڈ لاہور سے ملے گی،

آداب و اخلاق کا مفہوم اور اس کا دائرہ نہایت وسیع ہے، مگر اس کو عام طور سے محض آداب معاشرت تک محدود سمجھا جاتا ہے، ورنہ درحقیقت انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور انسان کا کوئی فعل و عمل بھی اُس کے دائرے سے باہر نہیں ہے، اور اس کے سارے اچھے افعال خواہ وہ کسی شعبۂ حیات سے تعلق رکھتے ہوں، اُن کی صحت و تحسین کے کچھ شرائط و قیود ہیں، انہی کا نام ان کے آداب و اخلاق ہے، اور انہی کی پابندی اور رعایت پر ان افعال کی تحسین و تکمیل موقوف ہے، اس لئے اسلام میں ان آداب و اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، بلکہ اس کا مقصد ہی اُن کی تکمیل ہے، مذکورہ کتاب میں اسی وسیع مفہوم کے لحاظ سے عقائد عبادات، معاملات و اخلاق، تہذیب و معاشرت وغیرہ انسانی زندگی کے جملہ شعبوں اور انسانی اعمال کے سارے اچھے مظاہر کے متعلق بڑی تفصیل و استیعاب سے آداب و اخلاق بیان کئے گئے ہیں، اور اس کا کوئی رُخ اور کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، اجابجا اُن کے مصالح و فوائد بھی بیان کر دیئے گئے ہیں، اس لئے درس اخلاق کی حیثیت سے یہ کتاب بہت مفید ہے،

درسِ عمل مؤلفہ جناب ایم عبدالرحمٰن خان صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۵ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد چھ روپیے، پتہ : مصنف نمبر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور،

یہ مصنف کی دوسری کتاب ہے، اور اس مین اخلاقِ فاضلہ کی عملی مثالین جمع کی گئی ہین، قومون کی تعمیر و ترقی اُن کے افراد کی سیرت و کردار کی صحیح و صالح تعمیر پر منحصر ہے، جس قوم کے افراد جس قدر اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ اور سیرت و کردار کے لحاظ سے بلند ہون گے اسی قدر وہ قوم دنیا مین سربلند ہوگی، ایک زمانہ مین مسلمانون کے عروج و ترقی کا بڑا سبب یہی تھا، کہ وہ اخلاقِ فاضلہ کا مثالی نمونہ تھے، اور اُن کے اخلاقی واقعات سے تاریخ کی کتابین معمور ہین، لائق مرتب نے ہر طبقہ کے مسلمان اکابر کی زندگیون سے اخلاق کی مختلف شاخون کے متعلق موثر اور سبق آموز واقعات کا ایک ذخیرہ اس کتاب مین جمع کر دیا ہے، جس سے زندگی کے ہر شعبہ مین درسِ عمل حاصل کیا جا سکتا ہے، اس لئے یہ کتاب مسلمانون کے اخلاقِ فاضلہ کی تاریخ بھی ہے، اور اخلاق کا علمی درس بھی، اور یہ دونون کتابین مسلمان بچون اور نوجوانون کے پڑھانے کے لائق ہین، بلکہ عمر رسیدہ لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

پیامِ انسانیت از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۰ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۰ ر، پتہ :- مکتبہ اسلام گوین روڈ لکھنو،

کائنات کا حاصل انسان ہے، اور دنیا کا سارا بناؤ بگاڑ اسی کے بناؤ بگاڑ پر منحصر ہے، دنیا مادی حیثیت سے کتنی ہی ترقی کیون نہ کر جائے، جب تک انسانیت کی اصلاح نہین ہوتی، اس وقت تک دنیا کی فلاح کی کوئی تدبیر کامیاب نہین ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ مین جب کہ مادی ترقی کے لحاظ سے دنیا معراجِ کمال تک پہنچ گئی ہے، انسان جس قدر ہوا و ہوس مین مبتلا ہے، دنیا فتنہ و فساد کی جتنی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، اور انسانیت قلب و روح کی تسلی سے جس قدر محروم ہے، اتنی شاید کبھی نہین تھی، اور جس قدر اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، اتنی ہی وہ الجھتی جاتی ہے، اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ کوشش مرض کے اصل سبب کے ازالہ کے بجائے اسکے نتائج کی اصلاح پر صرف ہو رہی ہے، اگر قومون کی سیاسی و اقتصادی کشمکش کو دور کرنے کے بجائے ان کے مادی نقطۂ نظر کو بدلنے اور ان کی اخلاقی و روحانی اصلاح کی کوشش کیجائے تو یہ ساری خرابیان آج دور ہو سکتی ہین،

مولانا ابو الحسن علی نے اسی نقطۂ نظر سے انسانیت کے فساد اور اس کی اصلاح و فلاح پر چار تقریرین کی تھین، پیام انسانیت" انہی کا مجموعہ ہے، ان تقریرون مین تفصیل کے ساتھ انسانیت کے حقیقی امراض پر بحث کر کے اس کے علاج کی صحیح تدبیرین بتلائی گئی ہین، ان کی دوسری تقریرون اور تحریرون کی طرح یہ تقریرین بھی نہایت موثر و دلپذیر ہین، اور ان مین دین و اخلاق کی پوری روح آگئی ہے اور اپنے موضوع اور فوائد کے لحاظ سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلمون کے بھی پڑھنے کے لائق ہین،

فرقہ واریت اور اسلام — از جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ ادارۂ تاج المعارف دیوبند،

فرقہ بندی یا فرقہ واریت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس کی بہت سی قسمین ہین، مثلاً جغرافی و وطنی نسلی و قومی، اور سیاسی و اقتصادی فرقہ بندی وغیرہ، اور اس کی مضرتین مذہبی فرقہ واریت سے کہین بڑھ کر ہین، اور آج دنیا مین جو بین الاقوامی رقابت اور بدامنی برپا ہے، وہ سب انہی فرقہ واریتون کا نتیجہ ہے مگر مذہب کو بدنام کرنے کے لئے فرقہ واریت کو محض مذہبی فرقہ پرستی مین محدود کر دیا گیا ہی اس کتاب مین اسی نقطۂ نظر سے فرقہ واریت پر بحث کی گئی ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں کوئی فرقہ واریت نہین ہے، اس نے فرقہ واریت کی بنیادون ہی کو ڈھا دیا ہی چنانچہ خدا کے تمام پیغمبرون اور ان کی لائی ہوئی کتابون کے ماننے اور اُن کے احترام کا حکم دیا ہے، اور کافرون کے معبودان باطل تک کو برا کہنے سے روکا ہے، اور قوم و وطن کے واجبی حقوق کو برقرار رکھتے ہوئے اُن سے پیدا شدہ عصبیت فرقہ بندی کو مٹایا ہے، اور اپنا اقتصادی نظام ایسا متوازی قائم کیا ہے جس مین معاشی فرقہ بندی کی گنجایش ہی نہین رکھی ہے، اس طرح اس نے ہر قسم کی فرقہ پرستی اور فرقہ بندی کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس کے بجائے دنیا کو چند ایسی بنیادی صداقتون پر جو تمام مذاہب مین مشترک ہین، ایمان لانے اور اس کی بنیاد پر عالمگیر

انسانی اخوت کی دعوت دی ہے، اگر اس دعوت پر عمل کیا جائے تو پوری انسانیت اخوت کے رشتہ مین منسلک ہوسکتی ہے، اس حیثیت سے یہ کتاب بہت مفید ہے، مگر مصنف نے ہندوستان سے مسلمانون کے مذہبی تعلق کی جو روایتین نقل کی ہین، اُن کی حیثیت خود اُن کی نگاہ سے مخفی نہ ہوگی، اس لئے اُن سے استدلال کہان تک صحیح ہے، ہندوستان سے مسلمانون کا وطنی تعلق کیا کم ہے، کہ اس قسم کی روایتون کے سہارے مذہبی رشتہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، تیموریون کے زمانہ مین ہندوؤن کی مذہبی کتابون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئی، اسلام کی صداقت، بلکہ شق القمر کے معجزہ تک کی تصدیقی روایتین تک نکلنے لگی تھین جن مین سے بعض خود مصنف نے بھی نقل کی ہین، ایسا نہو کہ اسی قسم کا رجحان اب مسلمانون مین پیدا ہوجائے، اس لئے اس قسم کی روایتون کے نقل کرنے مین احتیاط کی ضرورت ہے،

عربی جماعتین دربار رسالت مین شائع کردہ جناب انیس احمد صاحب تقطیع چھوٹی، ضخامت ۶۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، معمولی، قیمت ۸ ر پتہ: منشی انیس احمد صاحب حضرت نظام الدین اولیاء دہلی،

مکی زندگی مین اسلام بڑی بیکسی کی حالت مین تھا، اس زمانہ مین جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے ان کو مشرکین کا مشق ستم بننا پڑتا تھا، اس لئے جانباز و جان فروش ہی اسکی ہمت کرسکتے تھے، مگر ہجرت کے بعد اسلام تیزی سے پھیلنے لگا، خصوصاً فتح مکہ کے بعد جب دشمنانِ اسلام کی قوت ٹوٹ گئی تو عرب کے قبائل دور دور سے مدینہ آکر مشرف باسلام ہونے لگے جس کا سلسلہ وفات نبوی تک برابر قائم رہا، سیرت کی کتابون مین وفود کے عنوان سے اُن کے مستقل حالات ہین قاضی سلیمان صاحب منصورپوری کی رحمۃ للعالمین کے اس باب کو کتابی صورت مین شائع کردیا گیا ہے، اس مین ان وفود کے قبول اسلام اور تعلیم و تعلم وغیرہ کے حالات کو جمع کردیا گیا ہے، کتاب کے شروع مین انصار کی ان تینون جماعتون کا بھی مختصر تذکرہ ہے جنھون نے ہجرت نبوی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، اور جن کی دعوت پر آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تھی،

"م"